www.mohaddis.com

327

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

محدث

فروری ۲۰۰۹ء

۳۵ نظریاتی کونسل کا 'اجتہاد' یا 'الحاد'
۶۳ مسلم ریاستیں اور خلافتِ اسلامیہ
۱۰۳ جاوید غامدی کی 'میزان' پر تبصرہ

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّتِ اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ مُحدّث لاہور پاکستان

مُدیرِ اعلیٰ
حافظ عبد الرحمن مدنی

مُدیر
حافظ حسن مدنی

Only For SMS
0333-4213525

جلد ۴۱ / شمارہ ۲ — محرم / صفر ۱۴۳۰ھ — فروری ۲۰۰۹ء

فہرست مضامین

فکر و نظر	غزہ پر صہیونی جارحیت اور مسلم اُمہ		۲
ایمان وعقائد	عقیدہ کا اہم پہلو: الولاء والبراء	اِرشاد الحق اثری	۱۹
حدیث وسنت	جاوید غامدی اور انکارِ حدیث	محمد رفیق چودھری	۳۳
دار الافتاء	ایفائے عہد کا عدالتی طور پر لزوم	فتویٰ کونسل	۴۳
تحقیق وتنقید	اسلامی نظریاتی کونسل کا 'اجتہاد' یا 'اِلحاد'	حافظ محمد زبیر	۴۵
نظامِ سیاست	مسلم ریاستیں اور خلافتِ اسلامیہ	زاہد صدیق مغل	۶۳
	تعلیم میں حب ِوطن کا مقام	برٹرینڈ رسل	۷۵
تاریخ وسیر	ائمہ فقہاؒ کے علمی اور معاشی معمولات	امام شافعیؒ	۸۷
تبصرۂ کتب	جاوید غامدی کی 'میزان' پر تبصرہ	محمد رفیق چودھری	۰۳
	'نقوشِ سیرت' کا علمی مطالعہ	ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر	۱۲

زرِ سالانہ
۲۰۰/= روپے

فی شمارہ ۲۰/= روپے

بیرونِ ملک

زرِ سالانہ
۲۰/= ڈالر

فی شمارہ ۲/= ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ

۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

☎ : 5866476
5866396
5839404

Email:
hhasan@wol.net.pk

Publisher:
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

Islamic Research Council

مُحدّث کتاب وسُنّت کی روشنی میں آزادانہ بحث وتحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

غزہ پر صہیونی جارحیت اور مسلم اُمہ

علامہ اقبالؒ نے تو کہا تھا

اخوت اس کو کہتے ہیں چُبھے کانٹا جو کابل میں
ہندوستان کا ہر پیر و جواں بے تاب ہوجائے

مگر آج یہ سب کچھ ایک خواب لگتا ہے۔ آج ہم بحیثیتِ قوم کتنے بے حس ہوگئے ہیں، اس کا اندازہ ۲۷؍دسمبر کو غزہ کے مسلمانوں پر فاشسٹ اسرائیل کی وحشیانہ بمباری کے نتیجے میں تین سو سے زائد شہادتوں پر ہماری اجتماعی بے حسی سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

۲۷؍دسمبر کو اسرائیل فضائیہ کے بمبار طیاروں نے غزہ کی گنجان آبادیوں پر بم برسا کر قیامتِ صغریٰ برپا کردی۔ پہلے حملے میں ۳۰۰ سے زائد فلسطینی مسلمان جامِ شہادت نوش کرگئے۔ ایک ہزار سے زیادہ معصوم اور بے گناہ شہری شدید زخمی ہوئے۔ غزہ کی گلیاں اور بازار لاشوں سے اَٹ گئے۔ ہرطرف انسانی لاشے بکھرے ہوئے تھے۔ زخمی فریاد کررہے تھے، عورتیں اور بچے چیخ و پکار کررہے تھے۔ ہسپتال زخمیوں سے بھرگئے۔ سارا دن اسرائیل طیاروں کی وحشیانہ بمباری کا سلسلہ جاری رہا۔ زندہ بچ جانے والوں پر خوف اور دہشت طاری تھی۔ ہر شخص کو جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ فاشسٹ صہیونی حکمران میڈیا پر غزہ کو ملیامیٹ کردینے کے اعلان کررہے تھے۔

راقم نے ۲۷؍دسمبر کو تقریباً شام کے پانچ بجے الجزیرہ ٹی وی کا انگریزی چینل کھولا تو اس پر دکھائے جانے والے خون آشام مناظر کو دیکھ کر حیران و پریشان ہوگیا۔ فلسطینی مسلمانوں پر اتنی بڑی تباہی نازل ہوچکی تھی، مگر ہمیں اس کا علم تک نہیں تھا۔

پاکستان کے سرکاری اور پرائیویٹ ٹی وی چینل اس اَلمناک سانحے کے متعلق خاموش تھے۔ ہمارے تمام ٹیلی ویژن چینل صبح سے بےنظیر بھٹو کی برسی کے حوالہ سے گڑھی خدا بخش

www.KitaboSunnat.com

سے براہِ راست تقریبات دکھانے میں مصروف تھے۔ میں نے الجزیرہ چینل بھی اس یکسانیت کو کم کرنے کے لئے لگایا تھا۔ الجزیرہ ٹیلی ویژن اس انسانیت کی ہولناک تباہی کے بارے میں مسلسل خبریں اور مناظر دکھا رہا تھا۔ مگر پاکستانی قوم سوئی ہوئی تھی، اس کا میڈیا عالم اسلام کی اتنی بڑی خبر کے بارے میں مجرمانہ خاموشی کا شکار تھا۔ نجانے 'بریکنگ نیوز' کا مقابلہ اس معاملے میں کیوں سامنے نہ آیا.....؟

راقم الحروف ٹیلی ویژن کے سامنے مسلسل بیٹھا رہا۔ تقریباً دس بجے رات کو ہمارا میڈیا بھی جاگا اور اسرائیلی بمباری کے بارے میں خبریں نشر کرنا شروع کیں۔ میرے علم اور مشاہدے کے مطابق سب سے پہلے 'وقت' ٹی وی نے یہ خبر دی۔ ایکسپریس ٹی وی جس کا ماٹو 'ہر خبر پر نظر' ہے، نے رات کے ۱۰:۳۰ بجے اس عظیم سانحے کے متعلق ناظرین کو باخبر کرنا مناسب سمجھا۔ جیو ٹی وی اور اے آر وائی چینل نے بھی تقریباً اسی وقت اس المناک غارت گری پر توجہ دینا شروع کی۔ مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ ان تمام چینلز پر اس دن کی اس سب سے بڑی خبر کو محض سرسری انداز میں بیان کیا گیا۔ پاکستان کے سرکاری ٹی وی کا کردار بھی افسوسناک کہا جاسکتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ ۲۸ اور ۲۹ دسمبر کے نیوز بلیٹن میں بھی ہمارے الیکٹرانک میڈیا نے اس المیہ کو خاص کوریج نہ دی۔

ہمارے اخبارات کا رویہ بھی قابل گرفت ہے۔ یہ بات درست ہے کہ تقریباً تمام اخبارات نے اس پر اداریے تحریر کئے مگر کسی ایک انگریزی یا اُردو اخبار نے بھی اس دل دہلا دینے والے واقعے کو اپنی شہ سرخی (ہیڈلائن) کا مستحق نہ گردانا۔ ۲۹، ۳۰ اور ۳۱ دسمبر کے اخبارات اُٹھا لیجئے، ایک آدھ اخبار کے علاوہ کسی بھی اخبار نے اس کا فالواَپ صفحۂ اوّل پر نہ دیا۔ اکثر نے دو یا تین کالمی مختصر سی خبر بنا کر آخری صفحہ پر شائع کی۔ ایک دو اخبارات نے تو یہ زحمت بھی گوارا نہ کی۔ ایک انگریزی اخبار 'ڈیلی ٹائمز' نے اپنے اداریے میں حتی الامکان کوشش کی کہ اسرائیل اور حماس کے جرم کو برابر کی بات بنا کر پیش کرے۔ سیکولرازم کی پالیسی اپنی جگہ مگر اس دل آزار حرکت کو کسی بھی طرح معقول اور انصاف پسند تبصرہ نہیں کہا جاسکتا۔ میں ان خیالات کا اظہار ایک درجن اخبارات کی ورق گردانی کے بعد کر رہا ہوں۔ ان اخبارات میں 'جنگ'، 'نوائے وقت'، 'پاکستان'، 'خبریں'، 'آج کل'، 'وقت'، 'ڈان'، 'دی نیشن'، 'ڈیلی ٹائمز' اور 'دی نیوز'

www.KitaboSunnat.com

شامل ہیں۔ کیا ہمارے ذرائع ابلاغ کے اس رویے کو مشرف دور کی 'سب سے پہلے پاکستان' پالیسی کا نتیجہ قرار دیا جائے.....؟

قارئین کرام! ہمارے معروف کالم نگاروں کی فہرست دیکھ لیجئے، جو اپنی کالم بازیوں سے نت نئی موشگافیوں میں مصروف رہتے ہیں اور شاید ہی کوئی معمولی سیاسی واقعہ ہو جو ان کے التفات کا مستحق نہ سمجھا جاتا ہو۔ مگر ان کے قلم جو حق وصداقت اور عدل وانصاف اور حریت و آزادی کے 'ہمیشہ' ترانے گاتے ہیں، نجانے غزہ کی تباہی کے متعلق ان کی سیاہی کیوں خشک ہوگئی ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ امریکہ کی ناراضگی مول لینے کے متحمل نہیں ہوسکتے؟ کیا ان کے اذہان صہیونی پراپیگنڈے سے متاثر ہیں اور وہ 'حماس' کو ہی قصور وار سمجھتے رہے ہیں؟ مگر ان سینکڑوں بچوں اور عورتوں کی فریادوں اور آہوں پر ان کے قلم حرکت میں کیوں نہیں آتے؟ اس کا آخر کیا جواب ہے، ان کے پاس.....؟

ہماری حکومت کی طرف سے بھی اسرائیل کے خلاف ردّعمل انتہائی سست اور کمزور تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وزارتِ اطلاعات کے کسی افسر نے معمول کے مطابق صدرِ پاکستان اور وزیراعظم پاکستان کے یک سطری بیانات میڈیا کو ارسال کردیئے۔ ۲۷ دسمبر کو رات گئے تک یہ بیانات سامنے نہیں آئے تھے۔ ۲۶/دسمبر کو ٹی وی چینلز پر Tickers چلنا شروع ہوئے جس میں احتجاج کیا گیا تھا کہ اسرائیل نے اقوامِ متحدہ کی قرارداد کی خلاف ورزی کی ہے۔ اصل بیان قدرے تفصیلی انداز میں ۳۰/دسمبر کو سامنے آیا۔ البتہ تب بھی صدرِ پاکستان اور وزیراعظم کی طرف سے اس عالمی سانحے پر رنج وغم کا اظہار کرنے کے لئے کسی پریس کانفرنس کا اہتمام دیکھنے میں نہ آیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ حکومتِ پاکستان نے اس معاملے میں اپنا وہ کردار ادا نہیں کیا جس کی توقع عالم اسلام کے ایک باوقار ملک اور ایٹمی طاقت سے کی جاسکتی ہے۔

پاکستان کے عوام کی بے حسی بھی دل فگار اور اذیت ناک ہے۔ غزہ پر بمباری کے بعد چار دنوں میں جماعتِ اسلامی اور امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن نے لاہور میں جلوس نکالے مگر اس میں عوام کی شرکت نہ ہونے کے برابر تھی۔ مؤرخہ ۳/جنوری بروز جمعۃ المبارک راقم مسجدِ شہداء میں نماز کی ادائیگی کے بعد چیئرنگ کراس سے گزرا۔ وہاں جماعتِ اسلامی کے کارکنوں نے احتجاجی جلوس نکالا ہوا تھا اور امیر العظیم خطاب کررہے تھے، جلوس کے شرکا کی تعداد انتہائی

www.KitaboSunnat.com

مایوس کن تھی۔ میرے اندازے کے مطابق چالیس پچاس افراد بھی مشکل سے ہوں گے۔ یہ نہایت افسوس ناک امر ہے کہ پاکستان کی بڑی سیاسی جماعتیں جو چھوٹے چھوٹے ایشوز پر بڑے بڑے جلوس نکالتی ہیں، اُنہیں یہ توفیق ارزاں نہ ہوئی کہ وہ فلسطینی بے گناہ مسلمانوں کے اس قتل عام پر اپنا احتجاج ریکارڈ کراتے۔

جن لوگوں نے ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کی طرف سے بیت المقدس پر قبضے کی خبر کے بعد اہل پاکستان کے جذبات کے الاؤ کا مشاہدہ کیا تھا، وہ یقیناً اس قومی بے حسی پر افسردگی اور ملامت میں مبتلا ہوں گے۔ مجھے بھی اس معاملے میں شدید ڈپریشن اور رُوحانی کرب سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ہمیں بحیثیتِ قوم آخر کیا ہوگیا ہے؟ ہم اتنے سنگ دل اور شقی القلب کیوں ہوگئے ہیں؟ عالم اسلام میں ہونے والے عظیم سانحات کے متعلق ہماری لاتعلقی اور بے پروائی کے اسباب کیا ہیں؟ ہمارے ذہن بنجر کیوں ہوگئے ہیں اور ہمارے دلوں پر خزاں کیوں طاری ہوگئی ہے؟ ہم زندہ ہوتے ہوئے بھی ایک مردہ قوم کیوں بن گئے ہیں؟

کبھی میں سوچتا ہوں، لاہور شہر میں میراتھن دوڑ کرائی جاتی ہے تو شہر کی سڑکیں آباد ہوجاتی ہیں۔ کھیل تماشے ہوں تو جگہ نہیں ملتی، مگر جب فلسطینی بھائیوں پر صہیونی اسرائیل کی طرف سے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہوں، ان کی خبریں سن کر ہم کان کیوں لپیٹ لیتے ہیں اور ٹی وی پر المناک مناظر دیکھ کر بھی ہمارے دلوں پر پڑے ہوئے شقاوت اور مردہ دلی کے پردے کیوں نہیں اُترتے؟

آج ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایک 'روشن خیال' اور 'ترقی پسند' قوم بن گئے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ جس زمانے میں ہمیں 'تاریک خیال' اور 'رجعت پسند' قوم سمجھا جاتا تھا، وہ دور آج کے دور سے کہیں بہتر تھا، کم ازکم ان دنوں میں ہمارے اندر انسانیت تو باقی تھی۔ افسوس! مادی دولت، ترقی اور 'روشن خیالی' کے بعد ہم انسانیت کی دولت سے محروم ہوگئے ہیں۔

کاش کہ شاہی مسجد کی سیڑھیوں میں مدفون شاعر مشرق کو کوئی بتاسکتا کہ تیری قوم کا مزاج کتنا بدل گیا ہے۔ ایک وہ بھی زمانہ تھا جب آپ کابل میں کسی کو کانٹا چبھ جانے کی خبر سن کر ہندوستان کے جوانوں اور بزرگوں کو بے تاب ہوتے دیکھا کرتے تھے، مگر آج غزہ کے مسلمانوں پر وحشت و درندگی، بہیمیت اور فاشزم، بدترین ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے

www.KitaboSunnat.com

ہیں، مگر افسوس ہمیں اس کی خبر ہی نہیں ہوتی!! [محمد عطاء اللہ صدیقی: ۲؍جنوری ۲۰۰۹ء]

غزہ کا ایک سفر

یہ ایک عجیب اتفاق تھا۔ تین دن کی جدوجہد کے بعد میں مصر کے سرحدی علاقے رفح سے غزہ میں داخل ہوا تو حماس کی بارڈر سیکورٹی اور امیگریشن کے اہلکاروں نے أهلا و سهلا في فلسطين کہتے ہوئے استقبال کیا۔ صرف چند سو گز پیچھے رفح میں مصری امیگریشن اور انٹیلی جنس کے کسی اہلکار نے تین دن میں ایک مرتبہ بھی مسکرا کر بات نہیں کی تھی، حالانکہ نہ تو مصر پر بمباری ہو رہی تھی اور نہ ہی مصر کو کسی اسرائیلی حملے کا خطرہ تھا۔ جہاں بمباری ہوئی، جہاں ۱۳۰۰ سے زائد بے گناہ فلسطینیوں کو شہید کیا گیا، جہاں ۴۱ مساجد شہید کی گئیں اور جہاں اقوامِ متحدہ کے اسکولوں پر بھی راکٹ برسائے گئے، وہاں کے سرحدی محافظوں نے مسکراتے چہروں کے ساتھ صرف تین منٹ میں ہماری امیگریشن مکمل کر دی اور خوشگوار اتفاق یہ ہوا کہ جیسے ہی میں نے غزہ کی سرزمین پر قدم رکھا تو عشاء کی اذان شروع ہوگئی۔

مؤذن کی آواز اتنی خوبصورت اور لطیف تھی کہ چند لمحوں کے لئے میں سب کچھ بھول کر اس آواز میں ڈوب گیا۔ اذان ختم ہوئی تو میں نے اپنا بیگ اٹھایا اور الجزیرۃ کے کیمرہ مین ندال کے ساتھ ایک ویگن میں بیٹھ گیا جو اس بارڈر چیک پوسٹ سے چالیس کلومیٹر دور ہمیں غزہ شہر لے جانے والی تھی۔ ندال قطر سے غزہ پہنچا تھا۔ اس کے والد کا تعلق یروشلم سے تھا لیکن ۱۹۶۷ء میں وہ اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ ندال اُردن میں پیدا ہوا اور اب قطر میں رہتا ہے۔ فلسطینی ہونے کے باوجود آج اس نے پہلی دفعہ فلسطینی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ اس کی زبان سے بار بار ماشاء اللہ اور الحمدللہ کے الفاظ نکل رہے تھے، لیکن جیسے ہی اسرائیلی بمباری سے تباہ ہونے والی مساجد اور عمارتیں اس کی نظروں کے سامنے سے گزرنے لگیں تو وہ خاموش ہوگیا۔ ہم دونوں ذہنوں میں ایک ہی سوال تھا، اس تباہی کا ذمہ دار کون ہے اور اسے سزا کون دے گا.....؟

امریکی حکومت نے اسرائیل کی طرف سے غزہ پر تین ہفتے کی مسلسل بمباری کی ذمہ داری حماس پر عائد کی اور کہا کہ حماس نے اسرائیل پر راکٹ برسائے تھے اور اسرائیل نے اپنے

www.KitaboSunnat.com

دفاع کے لئے غزہ پر حملہ کردیا۔ میرے لئے حیرانی کی بات یہ ہے کہ مجھے غزہ میں ایک بھی فلسطینی ایسا نہیں ملا جو حماس کو اپنی تباہی کا ذمہ دار سمجھتا ہو۔ عام فلسطینی پوچھتا ہے کہ اگر اسرائیل نے حماس کو سزا دینی تھی تو پھر اقوامِ متحدہ کے زیرانتظام چلنے والے اسکولوں اور مساجد پر بم کیوں گرائے گئے؟ ۲۴ جنوری کی رات غزہ کے القدس ہوٹل کی لابی میں انڈونیشیا کے ایک فوٹو گرافر احمد نے مجھے بتایا کہ وہ جنوری ۲۰۰۹ء کے پہلے ہفتے میں غزہ آ گیا تھا۔

اس وقت تک غزہ میں کچھ لوگ حماس پر تنقید کرتے تھے، لیکن جب اسرائیل کی بمباری میں شدت آ گئی تو فلسطینیوں کو یقین ہوگیا کہ اسرائیل کی لڑائی حماس کے ساتھ نہیں بلکہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ احمد نے مجھے یاد دلایا کہ اسرائیل نے ۲۰۰۶ء میں لبنان میں بھی مساجد کو خاص طور پر نشانہ بنایا تھا اور ۲۰۰۹ء میں اسرائیل نے غزہ کی ۴۱ مساجد کو شہید کرکے اپنے خلاف جو نفرت پیدا کی ہے، یہ اگلے ۴۱ سال تک کم نہ ہوگی۔

احمد کا خیال تھا کہ امریکا اور اسرائیل مسلمانوں میں جمہوریت کے فروغ کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کو ترقی سے محروم کرنے کے لئے امریکا اور اسرائیل کی کوشش ہوتی ہے کہ یا تو جمہوریت کے نام پر مسلمانوں کو مغرب کی ذہنی غلام کرپٹ لیڈرشپ کے حوالے کردیا جائے یا پھر ان سے جمہوری اقدار کو چھین لیا جائے۔ 'الفتح' سے تعلق رکھنے والے محمود عباس کی حکومت کو غزہ کے فلسطینی 'کنگ آف کرپشن' کہتے تھے اور اسی لئے ۲۵ جنوری ۲۰۰۶ء کو فلسطین میں الیکشن ہوا تو قانون ساز اسمبلی کی ۱۳۲ میں سے ۷۴ نشستیں حماس نے جیت لیں۔

امریکا اور اسرائیل کو حماس کی جمہوری فتح ایک آنکھ نہ بھائی اور فوری طور پر حماس سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کرلے اور مسلح مزاحمت کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے ہتھیار پھینک دے۔ دوسری طرف امریکا اور اسرائیل نے الفتح اور حماس کو آپس میں لڑانے کی کوشش کی۔ حماس کو ایک طرف سے امریکا اور اسرائیل کے ناجائز دباؤ کا سامنا تھا اور دوسری طرف الفتح کی بلیک میلنگ کا سامنا تھا اور ان حالات میں جب فلسطین کے نام نہاد صدر محمود عباس نے امریکی دباؤ پر حماس کی منتخب حکومت کو توڑ دیا تو حماس کے اندر شدت پسندوں نے قوت حاصل کرلی اور اُنہوں نے اسرائیل پر چند دیسی ساخت کے راکٹ مار دیئے۔ ان راکٹوں سے اسرائیل کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ ان راکٹوں پر شور مچانے والے بھول جاتے ہیں

www.KitaboSunnat.com

کہ بین الاقوامی قوانین کی روشنی میں خود اسرائیل ایک غیر قانونی ریاست ہے!!

۱۹۱۷ء میں پہلی جنگِ عظیم کے دوران جرمنی اور ترکی پر فتح حاصل کرنے کے لئے برطانیہ کے وزیر خارجہ آرتھر بالفور نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اس جنگ میں برطانیہ کی مالی امداد کریں گے تو اس کے عوض برطانیہ فلسطین کی سرزمین پر ایک نئی یہودی ریاست قائم کرنے میں مدد دے گا۔ بالفور کے اس وعدے کو 'اعلانِ بالفور' کہا جاتا ہے اور اسی اعلان کی روشنی میں برطانیہ نے فلسطین پر قبضہ کرکے یہاں اسرائیل قائم کردیا۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۹۴۷ء میں قرارداد ۱۸۱ کو اکثریت کے ساتھ منظور کیا جس میں کہا گیا تھا کہ یروشلم کو انٹرنیشنل کنٹرول میں دیا جائے گا، لیکن اسرائیل نے اس قرارداد کو تسلیم نہیں کیا اور یروشلم پر اس کا قبضہ برقرار ہے۔ کشمیر کی طرح فلسطین پر اقوامِ متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد نہ ہونا مسلمانوں میں بے چینی کی ایک بڑی وجہ ہے۔

مسلمان اقوامِ متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد نہ کریں تو دہشت گرد قرار پاتے ہیں اور اسرائیل و بھارت ان قراردادوں کی دھجیاں اُڑا کر بھی امریکا کے منظورِ نظر ہیں۔ یہ ظلم جاری رہا تو دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہوگا۔ اسرائیل کے معروف اخبار ہارٹیز نے ۳۱ دسمبر ۲۰۰۸ء کی اشاعت میں انکشاف کیا ہے کہ اسرائیلی حکومت نے غزہ پر حملے کا فیصلہ چھ ماہ قبل جون ۲۰۰۸ء میں کرلیا تھا۔ اس حملے کا تعلق حماس کے دیسی ساخت کے کریکر نما راکٹوں سے نہیں بلکہ ۲۰۰۶ء میں لبنان کی جنگ میں اسرائیل کی شکست سے تھا۔ اسرائیل حماس کو ختم کرکے خود کو ناقابل شکست ثابت کرنا چاہتا تھا تاکہ فروری ۲۰۰۹ء کے انتخابات میں حکمران اتحاد کامیابی حاصل کرسکے، لیکن اسرائیل ایک دفعہ پھر اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ قطر اور موریطانیہ نے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات ختم کردیئے ہیں۔

[حامد میر: ۲۶/جنوری ۲۰۰۹ء]

اسرائیل ایک دہشت گرد تنظیم

اسرائیل کے وجود کا کھلے ظلم اور غاصبانہ و مجرمانہ قبضے پر مبنی ہونا خود اس کے بانیوں نے تسلیم کیا ہے۔ اس ناجائز ریاست کے پہلے وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان نے ورلڈ جیوش کانگریس

www.KitaboSunnat.com

کے بانی ناہم گولڈن کے نام اپنے خط میں لکھا تھا:

"If I were Arab leader, I would never make terms with Israel; That is natural. We have taken their country...we come from Israel, but two thousand years ago, and what is that to them? there has been anti-semetisem, the Nazis, Hitler, Auschwitz, but was that their fault? They only see one thing: we have come here and stolen their country. Whay Should they accept that?"

''اگر میں کوئی عرب لیڈر ہوتا تو اسرائیل سے کبھی سمجھوتہ نہ کرتا۔ یہ ایک فطری بات ہے، کیونکہ ہم نے ان سے ان کا ملک چھینا ہے۔ اگرچہ ہمارا تعلق اسرائیل سے تھا، لیکن یہ دو ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ فلسطینیوں کا بھلا اس سے کیا واسطہ۔ ہاں دنیا میں یہودی مخالف تحریک نازی، ہٹلر وغیرہ سب رہے ہیں، مگر کیا اس کے ذمہ دار فلسطینی ہیں؟ وہ صرف ایک چیز دیکھتے ہیں: ہم یہاں آئے اور ہم نے ان کا ملک چرالیا۔ آخر وہ اس چیز کو کیوں قبول کریں؟''

پروفیسر جان میئر شیمر (John Mearsheimer) اور پروفیسر اسٹیفن والٹ (Stephen Walt) کی شہرۂ آفاق تحقیقی تصنیف 'دی اسرائیل لابی اینڈ یو ایس فارن پالیسی' میں بھی اس خط کے مندرجات شامل کیے گئے ہیں۔

اگر آج دنیا میں حق اور انصاف کی حکمرانی ہوتی تو ایک ایسی ریاست کو عالمی طاقتوں اور بین الاقوامی برادری کی جانب سے تسلیم ہی نہ کیا جاتا بلکہ وجود ہی میں نہ آنے دیا جاتا جو خود اپنے بانیوں کے اعتراف کے مطابق کھلے ظلم اور حق تلفی کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے۔ لیکن جمہوریت اور انسانی حقوق کے تحفظ کو دنیا میں اپنا مشن بتانے والی مغربی طاقتوں نے اسرائیل کا ناجائز وجود صرف تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ یہ ننگِ انسانیت ریاست نتیجہ ہی ان کی منصوبہ بندی کا ہے۔ پھر ان طاقتوں نے فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیلی حکمرانوں کو ہر ستم توڑنے کی بھی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ چنانچہ فلسطینی عوام کے خلاف اسرائیل کی ریاستی دہشت گردی کا سلسلہ آج غزہ میں ایک نئی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ مہینوں سے محصور غزہ کے لاکھوں بے بس باشندوں

www.KitaboSunnat.com

پر بمباری اور میزائلوں کی بارش انسانیت کے خلاف جس قدر مکروہ جرم ہے، وہ محتاجِ وضاحت نہیں۔ مگر امریکی حکمرانوں اور ان کے اتحادیوں کی ڈھٹائی کا عالم یہ ہے کہ وہ امریکی ساختہ ایف سولہ طیاروں کی غزہ کے رہائشی علاقوں، مسجدوں، تعلیم گاہوں اور دفاتر پر وحشیانہ بمباری کو اسرائیل کی جانب سے اپنے دفاع کے حق کا استعمال قرار دینے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسرائیلی مظالم کے خلاف مزاحمت کرنے والے فلسطینیوں کے خانہ ساز راکٹوں اور بموں سے اپنے بچاؤ کے لئے اسرائیل ان کاروائیوں پر مجبور ہے۔ مگر خود اسرائیل کے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جو اسرائیلی حکمرانوں کو برملا انسانیت کے خلاف جرائم کا مرتکب قرار دیتے ہیں۔ مثلاً اسرائیل کے معروف روزنامے ہارنز غزہ میں آپریشن 'سرریز' کی مذمت کرتے ہوئے لکھا تھا:

''ہم غزہ پر گرما کی جو بارشیں برسا رہے ہیں، وہ اندھا دھند ہی نہیں ہیں، سب سے پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ وہ قطعی ناجائز ہیں۔ ساڑھے سات لاکھ لوگوں کو بجلی سے محروم کر دینا غیر قانونی ہے۔ بیس ہزار افراد کو اپنے گھروں سے نکل جانے پر مجبور کر دینا کسی صورت جائز نہیں۔ ان کی بستیوں کو بھوتوں کے مسکن بنا دینا کسی قانون کی رو سے درست نہیں۔ شام کے حدود میں مداخلت صریحاً بے جواز ہے۔ فلسطین کی آدھی حکومت اور چوتھائی پارلیمنٹ کو اغوا کر لینا انصاف کے سراسر منافی ہے۔ ایسے اقدامات کرنے والی ریاست اور کسی دہشت گرد تنظیم میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

سچائی اپنے آپ کو منوا کر رہتی ہے۔ اسرائیل ہی کے ایک معروف روزنامے کا یہ تسلیم کرنا کہ صہیونی حکمرانوں نے فلسطین کے خلاف اپنے سراسر ناجائز رویے سے ثابت کر دیا ہے کہ ان کی حکومت دراصل ایک دہشت گرد تنظیم ہے، اسی سچائی کا اظہار ہے۔ بلاشبہ اسرائیل روزِ اوّل سے ایک دہشت گرد ریاست ہے۔ اس کی بنیاد ہی ظلم اور بے انصافی پر رکھی گئی ہے۔ فلسطینیوں کی سرزمین پر اس کا قیام ہی انصاف کی کھلی پامالی ہے۔ پھر اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانے کے لئے اس نے اپنی ابتدا ہی سے دہشت گردی کو تکنیک کے طور پر اپنا رکھا ہے۔

اس سلسلے کا آغاز ۱۹۴۸ء میں فلسطینی بستی دیر یاسین میں قتل وغارت گری سے کیا گیا۔ اس کاروائی کا مقصد فلسطینیوں کو دہشت زدہ کر کے ان کے گھروں سے نکال دینا تھا تاکہ ان

www.KitaboSunnat.com

پر یہودی قابض ہوسکیں۔ اس وحشیانہ آپریشن کے شرکا میں سے کئی بعد میں اسرائیل کی وزارتِ عظمیٰ اور دیگر اہم مناصب پر فائز ہوئے اور اسرائیل کے بیشتر لیڈر دہشت گرد تنظیموں کی قیادت کر رہے ہیں۔ اس لئے اسرائیل کل بھی دہشت گرد تھا اور آج بھی ہے۔ اس کے باوجود مظلوم فلسطینیوں کے مقابلے میں مغربی ملکوں کی ساری عملی حمایت جابر اور غاصب اسرائیل کے ساتھ ہے۔ اسرائیل کے مظالم پر سلامتی کونسل میں کوئی مذمتی قرار داد منظور بھی ہوجائے تو وہ منافقت اور دکھاوے کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ اس کے پیچھے ظالم کو ظلم سے روکنے کی کوئی نیت ہی نہیں ہوتی۔ اس لیے اگر کوئی موجودہ عالمی نظام سے دنیا میں حق وانصاف اور امن امان کے قیام کی توقع رکھتا ہے تو اسے حماقت اور بے بنیاد خوش گمانی کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن فلسطین، عراق افغانستان اور کشمیر سمیت دنیا میں ہر اس جگہ جہاں استعماری طاقتوں نے ظلم اور حق تلفی کا بازار گرم کر رکھا ہے، برپا ہونے والی ناقابل شکست مزاحمتی تحریکوں نے ضرور اس اُمید کے چراغ روشن کر دیے ہیں کہ ظلم ودرندگی اور بے انصافی وسفاکی کا یہ عالم نظام جلد زمیں بوس ہوگا اور سچائی اور انصاف کی بالادستی پر مبنی نظام اس کی جگہ لے گا!!

[ثروت جمال اصمعی: ۱۴؍جنوری ۲۰۰۹ء]

اسرائیلی یلغار کون روکے گا.....؟

اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی جانب سے غزہ کی پٹی میں جنگ بندی کی قرار داد سلامتی کونسل میں پیش کی گئی، لیکن اسرائیلی حکومت نے بان کی مون کی اپیل، سلامتی کونسل کی قرارداد اور دنیا کے ۲۰۵ ممالک میں تشویش کی لہر کو مسترد کرتے ہوئے عالمی برادری کے منہ پر طمانچہ رسید کردیا ہے۔ دہشت گرد اور معصوم بچوں کے خون سے ہاتھ رنگنے والے اسرائیلی وزیر دفاع نے سلامتی کونسل کی قرار داد کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ جنگ جاری رہے گی اور ملٹری پریشن میں توسیع بھی کی جاسکتی ہے۔ ان حالات میں کوئی ہے جو اسرائیل کو روک سکے؟

اطلاعات کے مطابق غزہ میں شہید بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی تعداد نو سو تیس ہے، زخمیوں کی تعداد ۴۳۰ سے متجاوز ہے، املاک کے نقصان کا اندازہ اربوں روپے ہے، آگ اور خون کا یہ کھیل بند نہ ہوا تو تل ابیب بھی محفوظ نہ رہے گا۔ تل ابیب کے بعد کسی اور دارالحکومت کی سلامتی کی ضمانت کون دے گا؟ بان کی مون غزہ کے معصوم شہریوں کے تحفظ کی ضمانت

www.KitaboSunnat.com

فراہم نہیں کر سکتے۔ یورپی یونین کی خارجہ پالیسی کے سربراہ ہاویر سولانہ، برطانیہ کے وزیراعظم گورڈن براؤن، اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ یہ ضمانت فراہم نہیں کر سکتے پھر امن کیسے قائم ہوگا؟

۲۷؍دسمبر کے بعد دنیا کے سینکڑوں شہروں میں ہونے والے احتجاجی مظاہرے اقوامِ متحدہ کی جانبداری پر اپنے غم و غصے کا اظہار کر چکے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے صدر دفتر میں بیٹھے ہوئے عالمی نمائندے اور سفارتکار اس حقیقت سے نظریں چرا رہے ہیں کہ ممبئی کے بم دھماکوں پر عالمی برادری میں جو اِضطراب وتشویش پائی جاتی تھی، غزہ کے حوالے سے یہ تشویش کیوں نظر نہیں آتی ہے۔ مظاہرین پوچھتے ہیں کیا امریکیوں کا خون زیادہ مقدس ہے؟ کیا اسرائیلیوں کی جان زیادہ قیمتی ہے؟ کیا کشمیر، فلسطین، عراق اور افغانستان میں بہنے والا خون اس لیے بے وزن اور بے وقعت ہے کہ یہ کمزور مسلمانوں کا خون ہے۔ حالانکہ یہ خون خود بتا رہا ہے کہ مسلمانوں کا لہو بہا کر کوئی امن قائم نہیں کیا جا سکتا۔

فلسطینی جو غزہ کی پٹی میں گزشتہ سوا دو سال سے محاصرے کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، موت اور ہلاکت ان کے لئے اجنبی چیز نہیں ہے۔ اسرائیل یہ جانتا ہے کہ یہودیوں، مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے یکساں قابل احترام 'سرزمین قدس' سے اسرائیل مسلمانوں کے تیسرے مقدس ترین مقام 'بیت المقدس' کو زمین بوس کر کے یہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ اس علاقے میں ہیکل کی تعمیر کا خواب یہودی ڈھائی ہزار برس سے دیکھ رہے ہیں لیکن ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر نہیں آتا.....!!

۱۹۴۸ء میں فلسطینی سرزمین پر اسرائیل کے ناجائز وجود کے قیام،

چھ لاکھ فلسطینیوں کو دنیا بھر میں منتشر کرنے،

۱۹۶۷ء میں شام سے گولان کی پہاڑیاں،

مصر سے صحرائے سینا،

اُردن سے مغربی کنارہ اور بیت المقدس چھیننے کے،

۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ کے،

۱۹۹۳ء کے اوسلو معاہدے کے،

www.KitaboSunnat.com

یاسر عرفات کے ظالمانہ قتل کے بعد حماس کے بانی شیخ احمد یاسین
اور ان کے بعد ڈاکٹر عبدالعزیز رنتیسی کی مظلومانہ شہادت،
حماس کی منتخب حکومت کے خاتمے،
پندرہ ہزار فلسطینیوں اور چوالیس اراکین پارلیمان کو قید کی سلاخوں میں ٹھونسنے
اور ۲۷ دسمبر ۲۰۰۸ء کو فضائی حملے کرنے کے باوجود فلسطینی، فلسطین میں موجود ہیں اور ببانگِ دہل اعلان کررہے ہیں کہ اسرائیل اور اس کا سرپرست امریکہ ہمارے جسموں سے ہماری گردنیں جدا کرسکتا ہے، ہمارے ہسپتالوں، سکولوں، کاروباری مراکز اور بازاروں کو خاک وخون میں نہلا سکتا ہے، ایک ایک قصبے اور ایک ایک دیہات کو مٹی کے ڈھیر میں تبدیل کرسکتا ہے۔ عالمی مبصرین اور صحافیوں کے غزہ کی پٹی میں داخلے کو روک سکتا ہے۔ رفح راہداری کو بند رکھ سکتا ہے، ماں کی کوکھ اُجاڑ سکتا ہے لیکن فلسطینی قوم سے آزاد فلسطینی ریاست کا خواب نہیں چھین سکتا۔

وہ تو پتھر ہیں جو گر جاتے ہیں ٹکڑے ہوکر
حوصلے بھی کبھی مسمار ہوا کرتے ہیں!

[خالد امائرے/ترجمہ: محمد ایوب منیر: ۱۳/جنوری ۲۰۰۹ء]

دنیا کی سب سے بڑی جیل

ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی سبق ہوتا ہے جو اس سبق کو پالے وہ دانا کہلاتا ہے اور جو سبق نہ پاسکے، اسے بے وقوف کہنا چاہئے۔ دنیا کے ایک ارب سے زائد مسلمانوں کے ساتھ کم از کم ایک سو سال سے ایک ہی کہانی بار بار دہرائی جارہی ہے۔ پچھلے پانچ دنوں سے میں غزہ کے مختلف علاقوں رفح، خان یونس اور بیت حنون میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں، وہ میرے لئے نیا نہیں ہے۔

غزہ کی مسجدیں، ہسپتال، اسکول، پولیس اسٹیشن، سرکاری دفاتر، صنعتی ادارے، ہوٹل اور کئی مارکیٹیں اسرائیلی بمباری سے تباہ کی جاچکی ہیں۔ اس تباہی کو دیکھ کر مجھے ۲۰۰۶ء کی لبنان اسرائیل جنگ کے دوران بیروت سے لے کر قانا تک ہونے والی تباہی یاد آرہی ہے۔ آج

www.KitaboSunnat.com

دوپہر غزہ کی طاحد مسجد کے تباہ شدہ مینار دیکھ کر مجھے جنوبی لبنان کے شہر قانا کی وہ مسجد یاد آئی جس کی چھت گر گئی تھی، لیکن اس کے ایک مینار کا نیلا گنبد سلامت تھا۔ غزہ کا ایک تباہ شدہ اسپتال دیکھ کر مجھے ۲۰۰۳ء میں عراق کے شہر تکریت کا وہ اسپتال یاد آ رہا تھا جس کو میری آنکھوں کے سامنے امریکی ٹینکوں نے ملبے کا ڈھیر بنا دیا تھا اور اس ڈھیر کی فلم بنانے کے لئے بھی مجھے امریکی فوج کے ایک کرنل سے اجازت لینی پڑی تھی۔

غزہ کے انٹرنیشنل امریکن اسکول کے ملبے میں طلبا و طالبات کی کتابیں اور کاپیاں بکھری دیکھ کر مجھے افغانستان کے دارالحکومت کابل میں اقوامِ متحدہ کے زیر انتظام چلنے والے ایک اسکول کا ملبہ یاد آ گیا جو نومبر ۲۰۰۱ء میں امریکی طیاروں کی بمباری کے دوران کئی گھنٹوں تک میری پناہ گاہ تھا۔ اس ملبے میں پناہ کے دوران میں افغان بچوں کی کاپیوں میں موجود ان کا ہوم ورک پڑھ کر وقت گزارتا رہا۔

غزہ کی تباہی دیکھ کر مجھے لبنان، عراق اور افغانستان کی تباہی یاد آ رہی ہے۔ غزہ کے اسپتالوں میں پڑے زخمی بچے دیکھ کر مجھے بیروت، بغداد اور کابل کے ہسپتالوں میں پڑے زخمی بچے یاد آ رہے ہیں۔ ان سب کی ایک ہی کہانی ہے اور ان سب کا ایک ہی جرم ہے، ان کا جرم یہ ہے کہ یہ سب مسلمان ہیں۔

غزہ میں میرے ٹیکسی ڈرائیور کا نام مروان ہے۔ وہ دو سال اسرائیل کی جیل میں گزار چکا ہے۔ بیروت میں میرے ٹیکسی ڈرائیور کا نام ابوجعفر تھا اور وہ چار سال اسرائیلی قید میں گزار چکا تھا۔ آج شام جب مروان مجھے اپنی قید کی کہانی سنا رہا تھا تو مجھے ایسے لگا کہ میں یہ کہانی پہلے بھی سن چکا ہوں۔ ایسی ہی کہانی مجھے بیروت میں ابوجعفر نے سنائی تھی۔ مروان کی کہانی سن کر میں ایک گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ مجھے ایسا لگا کہ شاید یہ ایک ارب مسلمانوں کی قید کی کہانی ہے۔ غزہ میں آ کر میں خود کو بھی ایک قیدی محسوس کرتا ہوں۔ غزہ دنیا کی سب سے بڑی جیل ہے۔ ۴۱ کلو میٹر لمبی اور چھ کلو میٹر چوڑی اس جیل کو ایک طرف سے اسرائیلی ٹینکوں نے اور دو اطراف سے سمندر میں اسرائیل کے بحری جنگی جہازوں نے گھیر رکھا ہے۔

چوتھی طرف مصر کی سرحد ہے جہاں سے فلسطینیوں کی آمد و رفت کافی مشکل ہے۔ غزہ کی فضاؤں میں ہر وقت اسرائیل کے جنگی جہاز پرواز کرتے نظر آتے ہیں۔ غزہ سے فلسطین کے

www.KitaboSunnat.com

علاقے رام اللہ میں جانا ہوتو اسرائیل کی فوجی چوکی سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسرائیل کے ٹینک ہر وقت فلسطینیوں کے اردگرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ پرسوں خان یونس کے علاقے میں مجھے سڑک پر ایک لڑکے کی لاش پڑی نظر آئی۔ مروان نے ٹیکسی روک کر آس پاس دیکھا تو قریبی کھیتوں میں چھپے لوگوں نے اشارہ کیا کہ یہاں سے ہٹ جاؤ۔ ہم فوراً کچھ آگے چلے گئے اور رک کر صورتحال کا جائزہ لینے لگے۔ پتہ چلا کہ یہ لڑکا اپنی گدھا گاڑی پر سبزی لے کر جارہا تھا کہ اسے اپنے کھیتوں کے پاس ایک اسرائیلی ٹینک نظر آیا۔ فلسطینی لڑکے نے گدھا گاڑی روکی اور نیچے اُتر کر ایک پتھر اٹھالیا۔ پتھر لے کر وہ ٹینک کے قریب گیا اور ایک اسرائیلی فوجی کو دے مارا۔ جواب میں اسرائیلی فوجی نے اپنی گولی سے فلسطینی لڑکے کا سینہ چھلنی کردیا اور پھر جو کوئی بھی لاش اٹھانے کے لئے آگے گیا، اس پر گولی چلائی گئی۔

مروان نے بڑے فخر سے کہا کہ ہمارے بچے اسرائیلی ٹینکوں کا مقابلہ پتھروں سے کرتے ہیں اور موت کو ایسے گلے لگاتے ہیں جیسے ماں اپنے بچے کو گلے سے لگا لیتی ہے۔ یہ سن کر میں خاموش رہا۔ کچھ دیر مروان بھی خاموش رہا، کافی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا کہ کیا آپ کے خیال میں اسرائیلی ٹینکوں کا مقابلہ پتھروں سے کرنے والے فلسطینی بہادر نہیں ہیں؟ میں نے اسے جواب میں کہا کہ ٹینکوں کا مقابلہ پتھروں سے کرنے والے یقیناً بہادر ہیں، لیکن بہادری اور بے وقوفی میں فرق ہونا چاہئے۔ ٹینک کا مقابلہ اگر ٹینک سے نہیں ہوسکتا تو کم از کم رائفل سے کرنا چاہئے، لیکن ہم مسلمان شوقِ شہادت میں ٹینکوں پر پتھر برسانے لگتے ہیں اور دشمن کی بجائے صرف اپنا نقصان کرلیتے ہیں۔ ہمیں جس قسم کے حالات کا قیدی بنادیا گیا ہے ان حالات سے نکلنے کے لئے ہمیں اپنی آئندہ نسلوں کو علم کے ہتھیار سے مسلح کرنا ہوگا۔ اگر علم کا ہتھیار ہمارے پاس موجود ہو اور ہم آپس میں لڑنا بند کردیں تو پھر ہماری بہادری ہمیں اس مقام تک لے جاسکتی ہے جہاں صلاح الدین ایوبی نے پہنچ کر بیت المقدس کو آزاد کروالیا تھا۔ یہ سن کر مروان نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا کہ ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے غزہ سے لے کر صحرائے سینا تک قبضہ کرلیا تھا۔ اسرائیلی فوج قاہرہ کے دروازے تک پہنچ گئی تھی، لہٰذا ۱۹۷۳ء میں مصر اور شام نے مل کر اسرائیل پر حملہ کیا، سعودی عرب اور پاکستان نے بھی عربوں کی مدد کی یہاں تک کہ پاکستان ائیرفورس نے اسرائیلی طیارے مار گرائے۔ امریکہ نے اقوامِ متحدہ

www.KitaboSunnat.com

کی مدد سے جنگ بندی کروا کر اسرائیل کو بچالیا اور پھر اسرائیل نے مسلمانوں کو تقسیم کرنے کے لئے مصر کا مقبوضہ علاقہ چھوڑ دیا، لیکن غزہ پر قبضہ برقرار رکھا۔ ۲۰۰۵ء میں غزہ کا قبضہ چھوڑ کر اسے ایک انسانی جیل میں تبدیل کر دیا گیا اور یہاں حماس کو الفتح سے لڑا دیا گیا۔ مروان کو سمجھ آ چکی تھی کہ علم اور اتحاد کے بغیر مسلمانوں کی بہادری کسی کام کی نہیں!

ہم متحد نہ ہوئے تو ہمارے دشمن ہمیں دہشت گرد قرار دے کر اسی طرح مارتے رہیں گے جیسے غزہ میں مار رہے ہیں۔ مغرب کی جن فیکٹریوں کے میزائل غزہ پر برسائے گئے، انہی فیکٹریوں کے میزائل امریکی جاسوس طیارے پاکستان کے قبائلی علاقوں پر بھی برساتے ہیں۔ پاکستانیوں کو فلسطینیوں کے انجام سے سبق سیکھنا چاہئے۔ پاکستانی معاشرے کو روشن خیالوں اور بنیاد پرستوں کی تقسیم سے بچنا چاہئے اور اندرونی استحکام پیدا کرنا چاہئے۔ اپنوں کے ساتھ بندوق کی زبان میں نہیں بلکہ اس زبان میں بات کی جائے جو ہمارے حکمران امریکہ اور بھارت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اسرائیل نے مغرب کی مدد سے غزہ کو دنیا کی سب سے بڑی جیل بنا دیا ہے۔ اس جیل کو توڑنے کے لئے ہمیں متحد ہونا ہوگا ورنہ دشمن گھیرا ڈال کر ہمیں بھی ہمارے اپنے ہی وطن میں قیدی بنا سکتا ہے۔

مغربی ذرائع ابلاغ کے نمائندے غزہ میں ہونے والے ظلم وستم کو بے نقاب کر کے اسرائیل کے لئے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ غزہ میں آباد ۱۵/لاکھ فلسطینی پہلے سے زیادہ متحد ہیں اور پہلے سے زیادہ قربانیاں دینے کے لئے تیار ہیں۔ غزہ کے دو اطراف میں اسرائیل، تیسری طرف سمندر اور چوتھی طرف مصر ہے۔ مجھے اپنے ہوٹل کے کمرے کی کھڑکی میں سے سمندر میں موجود اسرائیلی بحری کشتیوں کی روشنیاں نظر آ رہی ہیں۔ غزہ تین طرف سے دشمن کے گھیرے میں ہے، اس کے باوجود فلسطینی بچے گلی کوچوں میں یہ گیت گاتے نظر آتے ہیں کہ ہم سب حماس کے ساتھی ہیں۔ کوئی ان بچوں کو بھلے ناسمجھ کہتا رہے، لیکن فلسطینی بچوں کا یہ گیت اسرائیل کی ایک اور شکست کا اعلان ہے۔ [حامد میر: ۲۹/جنوری]

المیہ غزہ پر اقوام متحدہ کی قرارداد کی حقیقت

غزہ پر اَقوام متحدہ کی تازہ ترین قرارداد نمبر ۱۸۶۰ مسلم دنیا کے حکمرانوں کی غیرت وحمیت

www.KitaboSunnat.com

اور سفارتی دانش پر ایک سوالیہ نشان ہے۔ اس قرارداد کے ذریعے ان حکمرانوں نے غزہ سے دستبرداری پر ہی اکتفانہیں کیا بلکہ اُنہوں نے یہودیوں کو منہ مانگا تحفظ بھی فراہم کردیا......!!

۹؍جنوری ۲۰۰۹ء کو اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل نے غزہ پر یہودی ریاست کے وحشیانہ حملے کے متعلق قرارداد نمبر ۱۸۶۰ منظور کی۔ اس قرارداد کے متن میں اسی طرح سیاسی مکاری برتی گئی ہے جس طرح اس سے قبل ۱۹۶۷ء کے اسرائیلی حملے کے بعد منظور کی جانے والی قرارداد نمبر ۲۴۲ میں برتی گئی تھی۔ قرارداد ۱۸۶۰ کے متن میں فوجی انخلا کا ذکر کرتے ہوئے 'مخصوص سرزمین' (The land) کی بجائے 'کوئی بھی سرزمین' (A land) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، تاکہ یہودیوں کے لئے ان علاقوں پر قبضہ برقرار رکھنے کی گنجائش موجود ہو جسے اُنہوں نے غصب کر رکھا ہے۔

اس طرح اس قرارداد میں غزہ سے انخلا کا مطالبہ نہیں کیا گیا بلکہ جنگ بندی کی بات کی گئی ہے جو کہ 'انخلا کا باعث' ہوگی، لیکن یہ جنگ بندی کس طرح اور کیونکر انخلا کا باعث بنے گی؟ اس سے قبل کئی واضح قراردادیں بھی یہودیوں کی جارحیت کو نہیں روک سکیں تو پھر کس طرح یہ قرارداد یہودیوں کی جارحیت کو روکنے کا باعث ہوگی، جسے جان بوجھ کر مبہم رکھا گیا ہے؟!

اَقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کی یہ قراردادیں کاغذ کے ٹکڑے سے زیادہ کچھ نہیں اور یہودی ریاست ان قراردادوں پر عمل درآمد کرنا گوارا نہیں کرتی اور یہ قراردادیں محض اقوامِ متحدہ کی ردی کی ٹوکری کو بھرنے کا کام کرتی ہیں۔ تاہم اس تمام تر کے باوجود بھی امریکہ اور اس کے حواریوں نے سیکورٹی کونسل کی جانب سے اس قرارداد کو منظور کرنے کی مخالفت میں بیان دیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ یہودی ریاست کو غزہ پر وحشیانہ حملے کے دوران مسلمانوں کا مزید خون بہانے کی مہلت مل جائے اور صہیونیت اپنے مزید اہداف کو حاصل کرلے۔

مسلم دنیا کے حکمرانوں نے امریکہ کی پیروی میں اس کے 'مقصد' کو خوش دلی سے قبول کرتے ہوئے اس پر رضامندی کا اظہار کیا۔ چنانچہ اُنہوں نے اس قرارداد کے متعلق آپس میں اختلاف کیا اور وہ اس قرارداد پر متفق نہ ہوئے تاکہ یہودی ریاست کو مزید مہلت ملے جائے......! جب یہودی ریاست نے دیکھا کہ اسے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اس نے جان لیا کہ وہ اپنے اہداف کو عسکری کاروائی سے حاصل نہیں کرسکتی اور اس نے دیکھا کہ یہ

معاملہ طول پکڑے گا، جبکہ وہ یہ چاہتی ہے کہ آنے والے انتخابات کے دوران اسے 'فتح' کا تاثر ہرصورت حاصل ہو، خواہ یہ فتح جنگ کے ذریعے ہو یا امن کے ذریعے، امریکہ اس کے لئے سرگرم ہوگیا تاکہ اس ہدف کو سکیورٹی کونسل کے ذریعے حاصل کیا جائے۔ چنانچہ امریکی وزیر خارجہ کونڈالیزا رائس مختلف ملاقاتوں اور میٹنگز میں بنیادی کردار ادا کر رہی تھی اور اس نے مسلم دنیا کے حکمرانوں کو حرکت میں لانا شروع کیا، اور وہ سب سکیورٹی کونسل کی طرف تکنے لگے جبکہ یہ وہی حکمران ہیں جو غزہ میں مسلمانوں کی مدد کے لئے خود کوئی ٹھوس اقدام کرنے سے اس طرح بدکتے ہیں جیسے یہ کوئی سیدھا موت کا راستہ ہو!

مسلم دنیا کے حکمران اس قرارداد کے ضامن ہیں، اگرچہ یہ قرارداد یہودی ریاست کو وہ کچھ عطا کر رہی ہے جو وہ حملوں کے ذریعے حاصل نہیں کرسکتی، یعنی **اسرائیل کی افواج غزہ میں موجود رہیں گی اور غزہ پر اسلحہ اور قوت حاصل کرنے پر پابندی برقرار رہے گی۔ نیز اس قرارداد میں غذائی امداد کا ذکر اسلحہ اور قوت حاصل کرنے پر عائد اس پابندی کو تبدیل نہیں کرے گا!**

اس قرارداد کو وزن دینے کے لئے امریکہ نے اس قرارداد کے حق میں ووٹ نہ ڈالا تاکہ یہ تاثر دیا جاسکے کہ گویا امریکہ اس قرارداد کے پس پردہ نہیں ہے۔ اور تاکہ مسلم دنیا کے حکمران یہ تاثر دینے کے قابل ہوسکیں کہ وہ امریکہ کی مدد کے بغیر بھی ایک بڑی کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں، لیکن درحقیقت مسلم حکمران ایک بار پھر دھوکہ کھا گئے اور کوئی بھی ایسا شخص جو عقل رکھتا ہے اس بات کا اِدراک کرسکتا ہے کہ اگر امریکہ اس قرارداد کی پشت پر نہ ہوتا تو وہ اس قرارداد کو منظور ہی نہ ہونے دیتا۔

اللہ ہمیں ایسے قائد دے جو مسلم اُمہ کے مفاد کے محافظ، دشمن کی چالبازیوں کو سمجھنے والے، ملت کا شعور اور دکھ درد رکھنے والے اور دین کی عظمت کے رکھوالے ہوں!!

[المیہ غزہ پر نامور صحافیوں کی تحریروں کا ایک انتخاب]

www.KitaboSunnat.com

ایمان وعقائد

مولانا ارشاد الحق اثری

اسلامی عقیدہ کا اہم پہلو الوَلاء والبراء

وَلاء کے معنی بیان کرتے ہوئے امام راغبؒ نے فرمایا ہے کہ 'ولاء' کے اصل معنی ''دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا اس طرح یکے بعد دیگرے آنا کہ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہ آئے جو ان میں سے نہ ہو۔ پھر یہ لفظ استعارہ کے طور پر قرب کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے، خواہ وہ قرب بلحاظ مکان ہو یا بلحاظِ نسب، یا بلحاظِ دین اور دوستی ونصرت کے ہو، یا بلحاظِ اعتقاد کے۔'' (المفردات، ص۵۵۵)

اسی سے لفظ 'ولی' ہے جس کی ضد 'عدوّ' (دشمن) ہے اور اسی سے 'الموالات' اور 'المواسات' ہے جس کے معنی میں تقرب، دوستی، تعاون، مدد، صلح، اور غم خواری کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

وَلاء کے مقابلے میں بَراء ہے جس کے اصل معنی: کسی ناپسندیدہ اور مکروہ امر سے نجات حاصل کرنا کے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے: براءتُ من المرض ''میں تندرست ہوگیا، میں نے بیماری سے نجات پائی۔'' اور یوں بھی کہا جاتا ہے: براءتُ من فلان یعنی ''میں فلاں سے بیزار ہوں۔'' گویا 'ولاء' میں موالات ہے اور 'براء' میں انقطاع اور بیزاری مراد ہے اور یہ دونوں حقیقۃً 'محبت' اور 'بُغض' کے تابع ہیں اور یہی دونوں ایمان کی بنیادی صفات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«من أحبّ لله وأبغض لله وأعطى لله ومنع لله فقد استكمل الإيمان»

''جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے دشمنی، اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے نہ دیا تحقیق اس کا ایمان مکمل ہوگیا۔'' (السلسلة الصحيحة:۳۸۰)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أوثق عرى الإيمان، الموالاة في الله والمعاداة في الله والحب في الله والبغض في الله» (الطبراني؛ السلسلة الصحيحة:۱۷۲۸)

www.KitaboSunnat.com

''ایمان کی بلندی یہ ہے کہ اللہ کے لیے دوستی ہو، اللہ کے لیے دشمنی ہو، اللہ کے لیے محبت ہو اور اللہ کے لیے بغض ہو۔''

اللہ سے محبت کا تقاضا ہے کہ اللہ کے انبیاے کرام اور ان کے اطاعت گزاروں سے محبت کی جائے اسی طرح اللہ اور اس کے انبیاے کرام کے دشمنوں سے دشمنی اور عداوت رکھی جائے اور ان کے نافرمانوں سے علیٰ حسب الدرجات بغض رکھا جائے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے:

"على المؤمن أن يعادي في الله ويوالي في الله فإن كان هناك مؤمن فعليه أن يواليه، وإن ظلمه، فإن الظلم لايقطع الموالاة الإيمانية وإذا اجتمع في الرجل الواحد خير وشر وفجور، وطاعة ومعصية، وسنة وبدعة استحق من الموالاة والثواب بقدر ما فيه من الخير، واستحق من المعاداة والعقاب بحسب ما فيه من الشر" (مجموع الفتاویٰ:۲/۲۰۸،۲۰۹)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں متعدد مقامات پر مؤمنوں اور کافروں کے مابین موالات کی نفی کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ (المائدۃ:۵۱)

''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''اے اہل ایمان! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ۔'' (النساء:۱۴۴)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ [الممتحنة:۱]

''مؤمنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لیے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (التوبہ:۲۳)

''اے اہل ایمان! اگر تمہارے ماں باپ اور بہن بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی نہ رکھو اور جو ان سے دوستی رکھیں گے وہ ظالم ہیں۔''

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾

(المائدۃ:۵۷)

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤ اور مومن ہو تو خدا سے ڈرتے رہو۔''

اس موضوع کی اور بھی آیاتِ مبارکہ ہیں مگر یہاں استیعاب مقصود نہیں۔ اس اہم حکم نافرمانی کے نتیجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبردار کیا ہے کہ

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾ (الانفال:۷۳)

''اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں تو (مومنو!) اگر تم یہ (کام) نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد برپا ہوگا۔''

اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو 'اُسوۂ حسنہ' قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (المُمتحنۃ:۴)

''تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو بے تعلق ہیں۔ تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلی عداوت اور دشمنی رہے گی۔ ہاں ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لیے مغفرت مانگوں گا اور میں خدا کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔''

www.KitaboSunnat.com

مگر ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا بھی باپ کی صرف زندگی میں کی کہ اسے ہدایت مل جائے:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾ (التوبہ:۱۱۴)

''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے،لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے بے شک ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل مزاج تھے۔''

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اور تمام ایمانداروں کو مشرکین کے لئے بخشش ومغفرت کی دعا سے روک دیا۔فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (التوبہ:۱۱۳)

''نبی اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں، چاہے وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔''

کافر اور مسلم کے بارے نبیؐ نے میں فرمایا:

«لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم»

(سنن ابوداؤد:۲۹۰۹ اور شیخ البانیؒ نے اس کو صحیح کہا ہے)

''مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔''

علی بن حسین کہتے ہیں کہ ''حضرت علیؓ اور جعفر طیارؓ نے اسی لئے عم رسول ابوطالب کی وراثت وصول کرنے سے انکار کر دیا اور ابوطالب کے وارث عقیل اور طالب ہی بنے تھے۔'' (موطأ:۱۴۷۰) کفار ومشرکین سے براء ت کی بنا پر ہی ابو طالب کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے سے روک دیا گیا۔

بدر کے قیدیوں میں جن میں حضرت ابوبکر صدیق کا بیٹا عبدالرحمٰن بھی تھا،حضرت عمرؓ نے مشورہ دیتے ہوئے کہا: يا رسول الله ﷺ! كذّبوك وأخرجوك، قاتلوك فاضرب أعناقهم (مختصر ابن کثیر،ص۴۲۹)

www.KitaboSunnat.com

''یارسول اللہ! اُنہوں نے آپ کو جھٹلایا، مکہ سے نکال دیا، آپ سے لڑائی کی، آپ انکی گردنیں اڑا دیں۔''

معصب بن عمیرؓ کا بھائی عبید بن عمیر قیدی ہوا تو انہوں نے کہا: اسے ذرا مضبوطی سے باندھو اس کی ماں بہت مالدار ہے۔ (قرطبی: ۴۸/۸)

قرآن کریم نے صحابہ کرام کے بارے میں ﴿اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ فرما کر ان کے اس ولاء و براء کے عملی کردار کی تحسین فرمائی۔

جہاد بھی کفار سے براءت ہی کا اظہار ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کا دشمن ہے، ہمارا اس کے خلاف علیٰ اعلانِ جنگ ہے:

قال معاوية: والله لئن لم تنته وترجع إلى بلادك يا لعين لأصطلحن أنا وابن عمي عليك ولأخرجنك من جميع بلادك

''سیدنا معاویہؓ نے (رومی بادشاہ کو جواب دیتے ہوئے) کہا: اے لعین! اگر تو باز نہ آیا اور اپنے ملک واپس نہ لوٹ گیا تو میں اور میرے چچا کا بیٹا (علیؓ) تیرے خلاف صلح کر لیں گے اور تجھے تیری ساری حکومت سے نکال دیں گے۔'' (البداية والنهاية: ۵۱۴/۸)

یہاں یہ بات پیش نگاہ رہے کہ ایک تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے منکر ہیں اور وہ غیر مسلم اور کافر ہیں۔ ان کے ساتھ موالات اور مواسات کی صراحتاً ممانعت ہے اور دوسرے وہ ہیں جنہیں ان کی کوتاہیوں کی بنا پر کافر قرار دیا جاتا ہے۔ یا ان کی بدعات وخرافات کی بنا پر اُنہیں کافر یا بدعتی کہا جاتا ہے اور پھر ان سے اسی اصول کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے۔

اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو آج کل فتنۂ تکفیر کی جو لہر چل نکلی ہے اور اس کے جو برگ و بار ہیں، وہ انتہائی خطرناک ہیں۔ مثلاً ﴿مَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ کی وجہ سے مسلم حکمرانوں کے بارے میں فتویٰ کفر اور اسی بنا پر ان کے خلاف خروج اور فساد کا اِقدام۔ حالانکہ اس آیت کے بارے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

من جَحَد ما أنزل الله فقد كفر ومن أقرَّ به ولم يحكم به فهو ظالم فاسق''

(تفسیر ابن کثیر: ۸۵/۲)

www.KitaboSunnat.com

''جس شخص نے اللہ کی نازل کردہ شریعت کا انکار کردیا تحقیق اس نے کفر کیا اور جس نے اقرار کیا اور اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہ ظالم فاسق ہے۔''

امام طاؤس، عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ

"ليس كفر ينقل عن الملة، ليس كمن يكفر بالله والملائكة وكتبه ورسله" (فتح القدیر:۵۸)

'' یہ ایسا کفر نہیں جو ملت اسلامیہ سے خارج کردے اور نہ ہی اس شخص کے کفر کی طرح ہے جس نے اللہ، اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں کا انکار کیا۔''

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ ہی سے ہے:"ليس بالكفر الذي تذهبون إليه"

'' یہ وہ کفر نہیں ہے جس کی طرف تم چل نکلے ہو۔'' (فتح القدیر:۵۸)

اسی طرح کسی بدعت اور اس کے مرتکب پر کفر کا اطلاق بڑی احتیاط کا متقاضی ہے۔ اس کی کچھ شرائط اور ضوابط ہیں جو اپنی جگہ ایک مستقل عنوان ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ان مبتدعین کے بارے میں بلکہ سنت کا استخفاف کرنے والوں کے بارے میں سلف کا موقف کیا ہے اور ان پر موالات کا حکم کیا ہے؟ اس ضمن میں علامہ بغویؒ فرماتے ہیں:

قد أخبر النبي ﷺ عن افتراق هذه الأمة، وظهور الأهواء والبدع فيهم وحكم بالنجاة لمن اتبع سنته، وسنة أصحابه رضي الله عنهم، فعلى المرء المسلم إذا رأىٰ رجلاً يتعاطى شيئًا من الأهواء والبدع معتقدًا، أو يتهاون بشيء من السنن، أن يهجره ويتبرأ منه ويتركه حيًّا وميتًا، فلا يسلم عليه إذا لقيه، ولايجيبه إذا ابتدأ، إلى أن يترك بدعته ويراجع الحق" (شرح السنہ:۱/۲۲۴)

بلکہ چند سطور بعد فرماتے ہیں:

"قد مضت الصحابة والتابعون وأتباعهم وعلماء السنة على هذا مجمعين متفقين على معاداة أهل البدعة ومهاجرتهم" [ایضاً:۱/۲۲۷]

اس کے بعد اُنہوں نے صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور ائمہ کرامؒ کے اس حوالے سے متعدد اَقوال ذکر کئے ہیں۔ علامہ ابن جوزیؒ نے بھی 'تلبیس ابلیس' (ص ۱۸، ۲۱) میں، امام لالکائی

www.KitaboSunnat.com

ؒ نے 'شرح اُصول اعتقاد اہل السنۃ' میں، امام ابن بطہ نے 'الابانۃ' میں بھی اس حوالے متعدد اقوال درج کئے ہیں، جن کی تفصیل محولہ بالا مقامات پر دیکھی جاسکتی ہے۔ اگر ایک ایک قول کو ذکر کیا جائے تو بحث طویل ہوجائے گی۔

صحابہ کرام سے تو صرف ایک حدیث کی مخالفت اور معارضت پر انکار اور ترکِ موالات معروف ہے۔ علامہ ابن قتیبہؒ نے 'المعارف' ص ۵۵۰ میں اس کے متعلق متعدد واقعات ذکر کئے ہیں۔ علامہ بغویؒ کے علاوہ یہی بات علامہ ابن عبدالبر، علامہ نووی، علامہ شاطبی، اور حافظ ابن تیمیہ رحمہم اللہ نے کہی ہے۔

البتہ یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہنی چاہئے کہ تمام بدعات یکساں اور ان کے مرتکبین ایک جیسے نہیں۔ جو بدعات حدِ کفر تک پہنچتی ہیں، ان سے بہرنوع براءت کا اظہار ایمان کا تقاضا ہے۔ البتہ جو بدعات اس سے کم تر ہیں، ان سے معاملہ بقدرِ بدعت ہونا چاہئے۔ جیسا کہ پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے حوالے سے گزرا ہے کہ ایک آدمی میں جب خیر و شر، طاعت ومعصیت اور سنت و بدعت دونوں جمع ہوں تو اس سے بقدرِ خیر موالات اور بقدرِ شر ہی معادات اختیار کرنی چاہئے۔ (مجموع فتاویٰ: ج ۲۸ ص ۲۰۹، ۲۱۰)

علامہ ابن ابی العزؒ نے بھی فرمایا ہے:

"الحب والبغض بحسب ما فيهم من خصال الخير والشر فإن العبد يجتمع فيه سبب الموالاة و سبب العداوة والحب والبغض فيكون محبوبًا من وجه ومبغوضًا من وجه والحكم للغالب"

(شرح الصغیر الطحاویہ ص ۴۳۴)

یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام بدعتی اور داعی الی البدعہ کی روایت میں بھی فرق کرتے ہیں۔ بدعتی کی روایت تو قبول کرتے ہیں مگر داعی الی البدعت کی روایت کو قبول نہیں کرتے۔ حافظ ابن حجرؒ نے 'نخبۃ الفکر' میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"والثاني يقبل من لم يكن داعية على الأصح إلا أن روٰى ما يقوي بدعته فيردّ على المختار" (شرح نخبۃ الفکر: ص ۱۳۷)

www.KitaboSunnat.com

بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس حوالے سے بڑی جامع بات فرمائی ہے:

"والتعزير لمن ظهر منه ترك الواجبات وفعل المحرمات كتارك الصلاة والتظاهر بالمظالم والفواحش، والداعي إلى البدع المخالفة للكتاب والسنة وإجماع سلف الأمة التي ظهر أنها بدع وهذا حقيقة قول السلف والأئمة أن الدعاة إلى البدع لاتقبل شهادتهم ولا يصلى خلفهم ولايؤخذ عنهم العلم ولا يناكحون فهذه عقوبة لهم حتى ينتهوا ولهذا فرقوا بين الداعية وغير الداعية، لأن الداعية أظهر المنكرات فاستحق العقوبة، بخلاف الكاتم، فانه ليس شرًا من المنافقين الذين كان النبي ﷺ يقبل علانيتهم ويكل سرائرهم إلى الله" [مجموع الفتاویٰ: ج۲۸/ص۲۰۵]

یہاں دو باتیں مزید غور طلب ہیں: ایک یہ کہ اگر مطلقاً بدعتی مردود ہوتا اور اس سے موالات کلیۃ ناجائز ہوتے تو داعی اور غیر داعی کے مابین یہ فرق بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ شیخ الاسلام نے جو فرمایا ہے کہ داعی الی البدعت کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، اس میں بھی قدرے تفصیل ہے۔ مامون، معتصم وغیرہ اُمراء جو صرف جہمی عقائد ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ جہمیت کے داعی بھی تھے اور اسی سبب سے اُنہوں نے امام احمد اور دیگر بہت سے محدثین کو اپنے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا، انہی کے بارے میں خود شیخ الاسلام نے فرمایا ہے:

''یہ جہمی حکام جو اپنی بدعت کے داعی اور علمبردار تھے اور اپنے مخالفوں کو قید و بند کی سزائیں دیتے اور اسے تب تک نہ چھوڑتے جب تک وہ یہ اقرار نہ کرلیتا کہ قرآن مخلوق ہے۔ مگر اس کے باوجود امام احمدؒ ان پر ترس کھاتے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ ایسے ہیں جن کے لئے یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ وہ رسولؐ کی تکذیب کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اس کے لائے ہوئے دین سے انکاری ہیں بلکہ اُنہوں نے تاویل کی اور اس میں خطا کے مرتکب ہوئے اور جنہوں نے اُنہیں یہ کہا کہ ان کے مقلد ہوگئے۔ ایسے حکام اُمرا یا ان کے مقرر کردہ اماموں کے پیچھے نماز بالخصوص نمازِ جمعہ، عیدین اور حج کے دوران کی نمازیں درست ہیں۔'' (مجموع الفتاویٰ:۲۳/۳۴۹)

حافظ ابن حزمؒ اس بارے فرماتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

"وذهبت طائفة الصحابة كلهم دون خلاف من أحد منهم وجميع فقهاء التابعين كلهم دون خلاف من أحد منهم وأكثر من بعدهم وجمهور أصحاب الحديث وهو قول أحمد والشافعي وأبي حنيفة وداود وغيرهم إلى جواز الصلاة خلف الفاسق الجمعة وغيرها، وبهذا نقول وخلاف هذا القول بدعة محدثة فما تأخر قط أحد من الصحابة الذين أدركو المختار بن أبى عبيد والحجاج وعبيد الله بن زياد وجيش بن دلجة وغيرهم عن الصلاة خلفهم وهؤلاء أفسق الفساق وأما المختار فكان متهما في دينه مظنونا به الكفر"

(الفصل فی الملل والأهواء والنحل: ج۴/ص۱۷۶)

اور تقریباً یہی بات اُنہوں نے المحلی: ۳/۲۱۳، ۲۱۴ میں بھی کہی ہے۔

ہم یہاں مزید تفصیل میں جانا نہیں چاہتے، تاہم یہ بات بہرحال ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ بدعتی کے پیچھے نماز کا جائز ہونا اور بات ہے مگر اُنہیں امام بنانا امر دیگر ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تقاضا ہے کہ اس کی بدعت پر انکار کیا جائے اور اس کی تعظیم وتکریم سے مقدور بھر اجتناب کیا جائے۔ لیکن اگر انکارِ منکر میں فتنہ کا خوف ہو یا دوسری جماعت کی کوئی سبیل نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے۔ اسی تناظر میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے:

"ولهذا كان الصحابة يصلون خلف الحجاج والمختار بن أبي عبيد الثقفي وغيرهما الجمعة والجماعة فإن تفويت الجمعة والجماعة أعظم فسادًا من الإقتداء فيهما بإمام فاجر" (مجموع الفتاویٰ: ج۲۳/ص۳۴۳)

"یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام حجاج اور مختار بن ابو عبید ثقفی کے پیچھے نماز اور جمعہ پڑھ لیا کرتے تھے کیونکہ نماز اور جمعہ کا فوت ہو جانا فاجر امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے زیادہ فساد کا کام ہے۔"

امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں:

"وعن ديننا أن نصلى الجمعة والأعياد وسائر الصلوات والجماعات خلف كل بر وفاجر لما روى عن ابن عمر أنه كان يصلى خلف الحجاج" (الابانہ: ص۶۱)

www.KitaboSunnat.com

''ہمارے مذہب میں یہی ہے کہ ہم جمعہ، عیدین اور سب نماز میں ہر نیک وفاجر کے پیچھے پڑھ لیں، کیونکہ سیدنا ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ حجاج کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔''

عموماً یہ غلط فہمی بھی پائی جاتی ہے کہ بدعتی کی تو اپنی نماز قبول نہیں، اس کے پیچھے نماز کیونکر جائز ہوسکتی ہے، مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ قبولیت کے کئی مدارج ہیں، جن میں سب سے کم تر یہ کہ اس کی ادائیگی سے فرض ساقط ہوجاتا ہے اور وہ فی نفسہٖ صحیح ہوتا ہے۔

علامہ ابن ابی العزؒ نے فرمایا ہے کہ

"والفاسق والمبتدع صلاته في نفسها صحيحة فإذا صلى المأموم خلفه لم تبطل صلاته" (شرح عقیدہ طحاویہ: ص ۳۷۵)

''فاسق اور بدعتی کی نماز فی نفسہا صحیح ہے اور اگر کوئی شخص ان کی اقتداء میں نماز پڑھ لیتا ہے تو اس کی نماز بھی باطل نہیں ہوگی۔''

یاد رہے کہ بدعتی بدعت مکفرہ کا مرتکب ہو تو اس کا کوئی عمل قطعاً مقبول نہیں ہے۔ البتہ بدعتِ مکفرہ نہ ہو تو بدعتی کا عمل بدعت مردود ہے جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے کہ «مَن أحدث في أمرنا ما ليس منه فهو ردّ» [بخاری مع الفتح: ۳۰۱/۵، ۲۶۹۷] رہ گئے بدعتی کے دوسرے اعمال تو اس کی قبولیت کے جو شرائط ہیں کہ وہ سنت کے مطابق ہوں اور اخلاص پر مبنی ہوں تو وہ اعمال مقبول ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ کوئی بدعتی ہو یا فسق کا مرتکب ہو تو اس سے براءت بقدرِ فسق و بدعت ہونی چاہیے۔ ان سے سلام و کلام، بیمار پرسی، میل ملاقات کا علی الاطلاق ترک سلف کے موقف و منہج کے موافق نہیں۔ بدعت اگر حد کفر تک نہیں ہے تو وہ بدعتی مسلمان ہے اور سلام مسلمان کے حقوق میں سے ایک حق ہے۔

امام احمدؒ سے امام ابوداؤدؒ نے پوچھا کہ خراسان میں ہمارے مرجئ عزیز و اقارب ہیں، ہم انہیں خط لکھتے تو اُنہیں سلام لکھیں؟ انہوں نے فرمایا: "سبحان الله لم لا تقرئهم" (مسائل احمد بروایۃ ابی داؤد: ص ۲۷۶) البتہ اگر زجراً و توبیخاً اور تادیباً انہیں سلام نہ کہا جائے تو اس کی بھی ائمہ کرام نے اجازت دی ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ بدعت کے مرتکب ہوں یا فاسق مسلمان

www.KitaboSunnat.com

فسق و فجور میں مبتلا ہوں۔ علامہ شاطبیؒ رقم طراز ہیں:

"الهجران و ترك الكلام والسلام حسبما تقدم عن جملة من السلف في هجرانهم لمن تلبس ببدعة" (الاعتصام:ج۱ص۱۷۵)

یہاں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ بدعتی ہو یا فاسق، ان کے پیچھے نماز پڑھنے کی جو بعض اَسلاف سے ممانعت منقول ہے یا ان سے ترکِ سلام یا ترکِ عیادت کا ذکر آیا ہے تو یہ سب ان کے لئے زجر وتوبیخ کے لئے ہے۔ یوں نہیں کہ ان کے پیچھے نماز ناجائز ہے یا سلام کہنا اور عیادت کرنا جائز نہیں۔ جب بدعتی مسلمان ہے اور اسلام سے خارج نہیں تو وہ بہرحال رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مستحق ہے:

«حق المسلم على المسلم خمس: ردّ السلام وعيادة المريض واتباع الجنائز وإجابة الدعوة وتشميت العاطس» (صحیح بخاری:۱۲۴۰)

''مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، دعوت قبول کرنا، جنازے میں جانا اور چھینک کا جواب دینا۔''

اور علامہ شاطبیؒ نے یہ صراحت کی ہے کہ بدعتی کی ترکِ عیادت زجر وتوبیخ کے لئے ہی ہے، ان کے الفاظ ہیں:

"الثالث عشر ترك عيادة مرضاهم وهو من باب الزجر والعقوبة"

[الاعتصام:ج۱ص۱۷۷]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس حوالے سے 'منہاج السنۃ' میں بڑی طویل اور نفیس بحث کی ہے، فرماتے ہیں:

''اہل بدعت اور اہل فسق کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ بعض مطلقاً اس کی اجازت دیتے ہیں اور بعض بالکل منع کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز کی ممانعت اس لئے نہیں کہ خود ان کی نماز باطل ہے بلکہ اس لئے کہ وہ بدعت کو ہوا دیتے ہیں، اس لئے وہ اس لائق ہیں کہ ان سے تعلق نہ رکھا جائے اور اُنہیں مسلمانوں کا امام نہ بنایا جائے۔ ان کی عیادت نہ کرنا اور جنازے کے ساتھ نہ جانا بھی اسی انکارِ منکر کے باب سے ہے۔ اور جب یہ عقوباتِ شرعیہ میں سے ہے تو معلوم ہوا کہ بدعت کی

www.KitaboSunnat.com

قلت و کثرت اور سنت کے اظہار و اخفا کے لحاظ سے مختلف اَحوال کی بنا پر اس کا حکم مختلف ہے۔ اسی لئے کبھی تألیفِ قلب مشروع ہے اور کبھی ہجران و براءۃ مشروع ہے۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نئے مسلمان ہونے والوں اور جن کے بارے میں فتنہ کا اندیشہ ہوتا تھا، ان سے تالیف وتعلق کا مظاہرہ فرماتے اور کبھی بعض ایمانداروں کی غلطی پر ان سے قطع تعلقی کا اظہار فرماتے، جیسا کہ تبوک سے پیچھے رہنے والے صحابہ کرامؓ سے کیا تھا۔کیونکہ مقصد تو صحیح اُسلوب میں مخلوق کو اطاعتِ الٰہی کی دعوت ہے۔اس لیے جہاں رغبت اصلاح کا ذریعہ ہے وہاں رغبت کا رویہ اور جہاں ڈرانا اور دھمکانا بہتر ہے، وہاں ڈرانا اور ہجر ہی بہتر ہے۔''

(منہاج السنہ:۱/۶۳،۶۵)

یہی بات اُنہوں نے ایک اور مقام پر فرمائی ہے۔چنانچہ ان کے فتاویٰ میں ہے:

''یہ ہجر و ترک ہاجرین کی قوت وضعف اور قلت و کثرت کے لحاظ سے مختلف ہے۔کیونکہ مقصد تو مہجورین کی تادیب ہے اور عوام الناس کو اس سے بچانا ہے۔لہٰذا مصلحت اسی میں ہے کہ اگر ہجر و ترک شر وفساد کے ضعف کا باعث ہے تو وہاں ہجر مشروع ہے،لیکن ہاجر کمزور ہے اور ہجر و ترک شر کے اضافے کا باعث ہے تو مصلحت یہی ہے کہ وہاں ہجر مشروع نہیں۔ بلکہ بعض لوگوں کیلئے تألیف ہی ہجر سے زیادہ سودمند ثابت ہوتی ہے اور بعض کیلئے ہجر تألیف سے زیادہ نفع بخش ہوتا ہے۔یہ اسی طرح ہے جیسے کبھی دشمن سے قتال بہتر ہے اور کبھی جزیہ لینا بہتر ہوتا ہے۔ یہ سب مختلف احوال اور مصالح کے اعتبار سے ہے۔'' (مجموع الفتاویٰ: ۲۸/۲۰۷)

اس لئے اہل بدعت ہوں یا اہل فسق ان سے ولاء و براء کا معاملہ انہی دینی مصالح کی اعتبار سے ہونا چاہیے۔ایسا نہ ہو کہ انکارِ منکر میں کوئی اور منکر یا فتنہ وفساد کھڑا ہو جائے۔

ہمارا یہ مقصد قطعاً نہیں کہ ولاء و براء کے اس اُصولی اور دینی پہلو میں سرد مہری کا مظاہرہ کیا جائے بلکہ عامۃ الناس جو اس کی نزاکت سے بے خبر ہیں، اُنہیں بہرنوع اس سے خبردار کرنا چاہئے کہ وہ مبتدع کی مجلس کی زینت نہ بنیں اور "من كثر سواد قوم فهو منهم" کا مصداق نہ بنیں۔امام سفیان ثوری نے اس بارے میں بڑی معنی خیز بات فرمائی ہے جو عوام کے لئے نہیں، خواص کے لئے بھی ہے:

"من جالس صاحب بدعة لم يسلم من إحدى ثلاث: إما ان يكون فتنة

www.KitaboSunnat.com

لغيره وإما أن يقع في قلبه شيء فيزل به فيدخله الله النار، وإما أن يقول والله ما أبالي ما تكلموا وإني واثق بنفسي فمَن أمن الله على دينه طرفة عين سلبه إياه" (البدع والنهي عنها لابن وضاح:ص۴۷)

جوشخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا رہا، تین صورتوں سے وہ بچ نہیں سکتا: یا تو وہ دوسروں کے لئے باعثِ آزمائش بنے گا (کہ لوگ خیال کریں گے کہ فلاں بدعتی تو اچھا شخص ہے، یا وہ شخص خود اپنے دل میں شک وشبہ کا شکار ہوکر گمراہ ہوجائے گا اور آگ کا ایندھن بنے گا۔ یا وہ یوں کہے گا کہ میں بدعتی کی باتوں کی پروانہیں کرتا، مجھے تو اپنے ایقان پر اعتماد ہے۔''

البتہ وہ متبحر اہل علم ان مبتدعین کے پاس بیٹھ سکتے ہیں جو اُنہیں صراطِ مستقیم کی دعوت دیں اوران کے شبہات کا اِزالہ کرسکیں یا ان کے ماننے میں کوئی اور مصلحت سمجھیں۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ بھی بالکلیہ ان سے اپنا ناطہ توڑ لیتے ہیں تو اُنہیں صراطِ مستقیم کی رہنمائی کون کرے گا۔

مسلمانوں سے محبت وقربت: الولاء

کفار، مبتدعین اور فساق کے مقابلے میں مسلمانوں کے ساتھ محبت و اُلفت کا اظہار بھی ایمان کی علامت ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (التوبہ:۷۱)

''مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰)

''تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

اسی طرح ارشاداتِ نبویؐ ہیں:

«لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا» (صحیح مسلم:۱۹۴)

''تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ تم ایمان نہ لے آؤ اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔''

◉ «لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه» (صحیح بخاری:۱۴)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

◉ عرشِ الٰہی کے سائے تلے افراد میں سے وہ دو آدمی بھی ہیں:

«رجلان تحابّا في الله اجتمعا عليه وتفرّقا عليه»

(صحیح بخاری:٦٦٠،صحیح مسلم:٢٣٨٠)

''جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں اور اسی پر اکٹھے ہوتے ہیں اور اس پر جدا ہوتے ہیں۔''

◉ «قال الله أين المتحابّون في جلالي لهم منابر من نور يغبطهم النبيون والشهداء» (سنن ترمذی:٢٣٩٠،البانی اس کو صحیح کہا ہے)

''(قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ میرے لیے محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج ان کے لیے نور کے منبر ہیں، انبیاء کرام اور شہداء عظام بھی ان کی شان پر رشک کریں گے۔''

◉ «لا تقاطعوا ولا تدابروا ولاتباغضوا ولاتحاسدوا وكونوا عبادالله إخوانا» (صحیح بخاری:٦٠٦٤)

''آپس میں قطع تعلقی نہ کرو اور نہ دشمنی رکھو اور نہ ایک دوسرے کے ساتھ بغض رکھو اور نہ ہی ایک دوسرے سے حسد کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔''

◉ «ولا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث» (ایضا:٦٠٦٤)

''کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔''

◉ «فمن هجر فوق ثلاث فمات دخل النار» [ابوداؤد:٤٩١٤]

''جس نے تین دن سے زیادہ چھوڑ دیا اور وہ اسی دوران مر گیا تو آگ میں داخل ہوگا۔''

◉ «المسلم أخوالمسلم لا يظلمه ولا يسلمه [إلى عدوّه] ولا يحقره ولا يخذله» (صحیح مسلم:٦٥٤١)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے دشمن کے سپرد کرتا ہے نہ اس کو حقیر جانتا ہے اور نہ ہی اسے ذلیل کرتا ہے۔''

◉ «لاتحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا يبع بعضكم على بيع بعض وكونوا عبادالله إخوانًا» (صحیح مسلم:٦٥٤١)

''آپس میں حسد نہ کرو، بولی پہ بولی نہ لگاؤ، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھو، اور نہ ہی کوئی شخص کسی شخص کی بیع پر بیع کرے۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔''

www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت
سلسلۂ چہارم

محمد رفیق چودھری

غامدی صاحب اور انکارِ حدیث

سنت کیسے ثابت ہوتی ہے؟

'سنت' کا شرعی واصطلاحی مفہوم چھوڑ کر غامدی صاحب پہلے تو گھر سے اس کا ایک نرالا مفہوم مراد لیتے ہیں اور پھر اس کے ثبوت کے لئے انوکھی شرطیں عائد کردیتے ہیں۔ ان کے نزدیک:

سنت کا ثبوت خبر واحد سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا ثبوت کبھی صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ہوتا ہے کبھی صحابہ کرام کے اجماع اور ان کے عمل تواتر سے، کبھی اُمت کے اجماع سے، کبھی اُمت کے اِجماع سے اَخذ کرکے اور کبھی اُمت کے اِجماع سے قرار پاکر اور کبھی قرآن کے ذریعۂ ثبوت کے برابر ذریعۂ ثبوت سے۔

چنانچہ وہ اپنے اس موقف کو بیان کرتے ہوئے پہلے سنت کی تعریف لکھتے ہیں:

① ''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید واصلاح کے بعد اوراس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔''

(میزان: ص۱۰، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور؛ اُصول ومبادی: ص۱۰، فروری ۲۰۰۵ء، لاہور)

لیکن سنت کی یہ تعریف دین کی کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں ہے اور اُمتِ مسلمہ کے اہل علم سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ آگے چل کر ہم سنت کی وہ تعریف درج کریں گے جو اہل علم کے ہاں مسلم ہے۔

② پھر آگے اس سنت کے ثبوت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ

''سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور

www.KitaboSunnat.com

قرآنِ مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اِجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں اُمت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔'' (میزان: ص۱۰، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

③ اسی بات کو وہ دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں کہ

''قرآن ہی کی طرح سنت کا ماخذ بھی اُمت کا اجماع ہے اور جس طرح وہ صحابہؓ کے اجماع اور قولی تواتر سے اُمت کو ملا ہے، اسی طرح یہ ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے۔''

(میزان: ص ۶۸، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

④ وہ مزید لکھتے ہیں کہ

'' جس طرح قرآن خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا، اسی طرح سنت بھی اس سے ثابت نہیں ہوتی۔'' (میزان: ص ۶۷، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

⑤ ایک اور جگہ اسی مضمون کو اس طرح لکھتے ہیں کہ

''ثبوت کے اعتبار سے اس (سنت) میں اور قرآن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح اُمت کے اجماع سے ثابت ہے، یہ بھی اسی طرح اُمت کے اجماع ہی سے اخذ کی جاتی ہے۔'' (میزان: ص۷۰، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب کے نزدیک:

- سنت خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتی۔
- ثبوت کے اعتبار سے سنت اور قرآن میں کوئی فرق نہیں۔
- سنت صحابہ کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور یہ ہر دور میں اُمت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔

اب ہم ان نکات کا عملی جائزہ لیں گے:

① کیا سنت خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتی؟

غامدی صاحب کا دعویٰ ہے کہ سنت خبر واحد (اخبارِ احاد) سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کے ثبوت کے لئے اجماع اور تواتر شرط ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ سنت خبر واحد سے ثابت ہوتی ہے اور اس کے لئے اجماع اور تواتر

www.KitaboSunnat.com

کی شرط بے بنیاد اور بے اصل ہے۔ آج تک اُمت کے معتمد اور ثقہ اہل علم میں سے کسی نے سنت کے ثبوت کے لئے تواتر کی شرط عائد نہیں کی۔ ہم کہتے ہیں کہ سنت ہی کیا، پورا دین خبر واحد سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیثِ جبرائیلؑ خبر واحد ہے اور اس میں پورا دین بیان کیا گیا ہے جس کی تصدیق خود نبی کریم ﷺ نے اس طرح فرمائی ہے کہ وہ (جبرائیلؑ) تھے جو تمہیں دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔

یہ حدیثِ جبرائیلؑ صحیح بخاری میں اس طرح روایت ہوئی ہے کہ

عن أبي هريرة قال: كان النبي ﷺ بارزًا يومًا للناس فأتاه رجل فقال: ما الإيمان؟ قال : «الإيمان أن تؤمن بالله وملائكته وبلقائه ورسله وتؤمن بالبعث» . قال: ما الإسلام؟ قال: «الإسلام أن تعبد الله ولا تشرك به وتقيم الصلاة وتؤدّي الزكوٰة المفروضة وتصوم رمضان» . قال : ما الإحسان ؟ قال: «أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك» . قال: متٰى الساعة؟ قال: «ما المسئول عنها بأعلم من السائل وسأخبرك عن أشراطها: إذا ولدت الأمة ربتها وإذا تطاول رعاة الإبل البهم في البنيان، في خمس لايعلمهن إلا الله » ثم تلا النبي ﷺ ﴿إِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ الآية ـ ثمّ أدبر فقال: «ردّوه» ، فلم يرَوا شيئًا فقال: « هٰذا جبرائيل جاء يعلّم الناس دينهم» . (صحیح بخاری:۵۰، صحیح مسلم:۹)

''حضرت ابو ہریرہؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے پوچھا: ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، فرشتوں پر، قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہونے پر، اللہ کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا یقین رکھو۔ اس نے مزید سوال کیا: یارسول اللہؐ! اسلام کیا ہے؟ فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو۔ پھر اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! احسان کیا ہے؟ فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم اُسے نہیں دیکھ سکتے (یعنی یہ کیفیت پیدا نہیں کر سکتے) تو وہ یقیناً تم کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے سوال کیا: یارسول اللہؐ! قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: جس سے سوال

www.KitaboSunnat.com

کیا گیا ہے، وہ بھی سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ میں تم کو قیامت کی کچھ نشانیاں بتاتا ہوں۔ جب لونڈی اپنی مالکہ جنے گی اور جب اونٹوں کے سیاہ فام چرواہے بڑی بڑی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے پر بازی لے جائیں گے۔ قیامت کا علم ان پانچ غیب کی باتوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا اور نہ کسی کو یہ خبر ہے کہ کس جگہ اس کو موت آنی ہے۔'' (سورۃ لقمان:۳۴)

پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے واپس بلاؤ'' مگر وہ نہ ملا۔ آپؐ نے فرمایا: ''یہ جبرائیل تھے جو لوگوں کو اُن کا دین سکھانے آئے تھے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ پورا دین تو خبر واحد (اخبارِ احاد) سے ثابت ہوسکتا ہے مگر اس سے غامدی صاحب کی 'سنت' ثابت نہیں ہوسکتی۔

پھر اس خبر واحد (اخبارِ احاد) سے ہمیں وہ کلمۂ طیبہ نصیب ہوتا ہے جس کے پڑھنے کے بعد ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور جسے چھوڑ دینے سے ہم غیر مسلم قرار پاتے ہیں۔

اس کے علاوہ تمام علماے اسلام کے نزدیک سینکڑوں سنن (سنتیں) اور ان کے احکام ایسے ہیں جو خبر واحد (اخبارِ آحاد) سے ثابت ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند ایک یہ ہیں:

۱۔ وضو میں موزوں پر مسح کرنا (مسح علی الخفین)

۲۔ شہید کی میت کو نہ تو غسل دینا اور نہ اسے کفن پہنانا

۳۔ اذان کا طریقہ

۴۔ عورت پر جمعہ کی نماز کا فرض نہ ہونا

۵۔ مسلمان کی میت پر نمازِ جنازہ پڑھنا

۶۔ ماں کی عدم موجودگی میں میت کی دادی کو وراثت میں سے چھٹا حصہ ۱/۶ دینا

۷۔ وارث کے حق میں وصیت کا ناجائز ہونا

۸۔ مرتد کے لئے قتل کی سزا (حد) ہونا

۹۔ شادی شدہ زانی کے لئے رجم یعنی سنگساری کی سزا (حد) ہونا

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ مفتوح پارسیوں (مجوسیوں) سے جزیہ لینا
۱۱۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد قریش کی حکمرانی کا حق ہونا
۱۲۔ نبی ﷺ کی جس جگہ وفات ہوئی، آپؐ کا وہیں مدفون ہونا۔
۱۳۔ مردوں کے لئے ریشم اور سونے کا استعمال ممنوع ہونا
۱۴۔ مدینہ منورہ کا حرم ہونا
۱۵۔ قرآنِ مجید کی تلاوت کے وقت مقاماتِ سجود پر سجدہ کرنا

اس طرح کے بے شمار احکام اور سنن ہیں جو خبر واحد سے ثابت ہوتے ہیں۔

② کیا قرآن اور سنت کے ثبوت میں کوئی فرق نہیں؟

غامدی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے قرآن اور سنت میں کوئی فرق نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ دونوں کے ثبوت میں فرق ہے اور اس کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ قرآن کریم اُمت کے تواتر سے ثابت ہے جب کہ سنت کے لئے صحیح حدیث کا ہونا ہی کافی ہے اور صحیح حدیث ایک یا دو ثقہ اور عادل راویوں سے بھی ثابت ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر:

موطأ امام مالک میں ہے کہ ایک شخص کی وفات کے بعد اس کی دادی (نانی) حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں اپنی میراث طلب کرنے کے لئے آئی تو آپؓ نے فرمایا:

"مالك في كتاب الله شيء، وما علمت لك في سنة رسول الله شيئًا، فارجعي حتّٰى أسأل النّاس" (موطا امام مالک: کتاب الفرائض، باب میراث الجدة)

''تیرے لئے اللہ کی کتاب میں کوئی حق موجود نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی تیرا کوئی حق موجود نہیں ہے، لہٰذا تم ابھی واپس چلی جاؤ تاکہ میں دوسرے لوگوں سے دریافت کرلوں۔''

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں سے دریافت فرمایا تو حضرت مغیرہؓ نے بتایا کہ ان کی موجودگی میں نبی ﷺ نے میت کی دادی کو چھٹا حصہ دلایا تھا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے ان سے پوچھا کیا اس وقت تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ اس کے بعد جب حضرت محمد بن مسلمہ

www.KitaboSunnat.com

انصاریؓ نے بھی اس حدیث کی تائید کردی تو حضرت ابوبکرؓ نے اس عورت کو میراث کا چھٹا حصہ دلا دیا۔

مذکورہ حدیث خبر واحد بھی ہے کہ اس کے صرف دو راوی ہیں، لیکن اس سے نبی ﷺ کی سنت ثابت ہوتی ہے جس پر خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے سنت سمجھ کر اس پر عمل فرمایا۔ اور آج تک اہل علم اس پر متفق ہیں کہ میت کے ترکے میں سے والدہ کی عدم موجودگی میں دادی کو چھٹا حصہ دیا جائے گا اور یہ سنتِ ثابتہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سنت کا ثبوت خبر واحد (اخبارِ آحاد) سے ہوجاتا ہے اور اس کے لئے اجماع یا تواتر کی کوئی شرط نہیں ہے۔ البتہ قرآن کا ثبوت خبر واحد (اخبارِ آحاد) سے نہیں ہوتا، اس کے لئے علمائے اُمت کے ہاں 'تواتر' ضروری ہے۔

③ سنت کے بارے میں ذہنی قلابازیاں اور فکری تضاد بیانیاں

سنت کے ثبوت کے حوالے سے غامدی صاحب کی مذکورہ چاروں تحریروں میں ان کی ذہنی قلابازیاں اور فکری تضاد بیانیاں ملاحظہ ہوں کہ

۱۔ سنت کا ثبوت صحابہ کرام کے اِجماع سے ہوتا ہے۔

پھر دوسرے لمحے یہ کہنا شروع کردیتے ہیں کہ

۲۔ سنت صحابہ کرامؓ کے اجماع سے اور ان کے عملی تواتر سے ثابت ہوتی ہے۔

پھر تیسرے لمحے یہ فرمانے لگتے ہیں کہ

۳۔ سنت اُمت کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔

اور چوتھے لمحے یہ کہنا شروع کردیتے ہیں کہ

۴۔ سنت اُمت کے اجماع سے اخذ کی جاتی ہے۔

اب ان چاروں میں سے ان کے کسی موقف کو صحیح سمجھا جائے؟ جبکہ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے جسے وہ ایک چیز قرار دے رہے ہیں۔ اگر سنت کے ثبوت کے لئے تواتر کی شرط عائد کردی جائے تو پھر اُمت کو نوے فیصد دین اسلام کے احکام وتعلیمات سے محروم ہونا پڑتا ہے، کیونکہ وہ صرف اور صرف خبر واحد (اخبارِ آحاد) سے ثابت ہیں۔ اب نوے فیصد دین

www.KitaboSunnat.com

چھوڑ کر اس کے صرف دس فیصد کو لے کر غامدی صاحب کا گزارہ تو ہوسکتا ہے مگر اُمت مسلمہ اپنے دین کے نوے فیصد حصے سے نہ تو دست بردار ہوسکتی ہے اور نہ اس کے صرف دس فیصد پر قناعت کرسکتی ہے۔ ع

جو تمہاری مان لیں ناصحا
تو رہے گا دامن دل میں کیا

④ دینی اصطلاحات کے ساتھ مذاق کا رویہ

غامدی صاحب اپنی لفاظی کے ذریعے دوسروں کو مغالطہ اور فریب دینے کے عادی ہیں، ہم ان کے اس طریق واردات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ وہ معروف دینی اصطلاحیں تو اُمت سے لیتے ہیں مگر ان کے مطالب ومفاہیم اپنے جی سے گھڑتے ہیں اس طرح وہ ضلوا فأضلوا کے مصداق 'خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے' ہیں۔

زیر بحث موضوع کے حوالے سے بھی اُنہوں نے اپنی مذکورہ عبارات کے ذریعے دینی اصطلاحات کے بارے میں دوسروں کو کئی مغالطے اور فریب دینے کی سعی فرمائی ہے۔ اُنہوں نے سنت، حدیث، اجماع اور تواتر جیسی دینی اصطلاحات کے مفاہیم بدل کر خلطِ مبحث پیدا کردیا ہے۔ سنت کی اصطلاح ہی کو لیجئے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ سنت سے مراد نبی ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات (خاموشی/تائیدات) اور صفات ہیں:

أما السنة: فهي أقوال النبي ﷺ وأفعاله وتقريراته وصفاته

(اصول الفقہ الاسلامی از ڈاکٹر وہبہ زحیلی: ۱/ ۴۴۹، طبع دمشق)

لیکن غامدی صاحب سنت کی من مانی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید واصطلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔''

(میزان: ص۱۰، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲، لاہور؛ اُصول ومبادی، ص۱۰، طبع فروری ۲۰۰۵ء، لاہور)

اسی طرح وہ 'حدیث' کی معروف دینی اصطلاح کو محض اخبارِ آحاد میں محدود کرکے ان کو

www.KitaboSunnat.com

دین سے خارج کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

''رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کے اخبارِ آحاد جنہیں بالعموم 'حدیث' کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا ہرگز کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔'' (میزان: ص۱۰، طبع اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور)

اسی طرح وہ ایک اور مقام پر 'حدیث' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کے اخبارِ آحاد جنہیں بالعموم 'حدیث' کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کبھی درجۂ یقین کو نہیں پہنچتا، اس لیے دین میں ان سے کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا۔''

(اُصول ومبادی: ص۱۱، طبع فروری ۲۰۰۵ء، لاہور)

سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ اُمت کی معروف شرعی اصطلاحات کے معنی اپنے جی سے گھڑ کر خلق خدا کو گمراہ کریں۔

دینی اصطلاحات کے معنی بدلنے کے بارے میں خود غامدی صاحب کے استاذ امام مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر تدبر قرآن کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ

''منکرین حدیث کی یہ جسارت کہ وہ صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ اور عمرہ وقربانی کا مفہوم بھی اپنے جی سے بیان کرتے ہیں اور اُمت کے تواتر نے ان کی جو شکل ہم تک منتقل کی ہے، اس میں اپنی ہوائے نفس کے مطابق ترمیم وتغیر کرنا چاہتے ہیں، صریحاً خود قرآنِ مجید کے انکار کے مترادف ہے اس لیے کہ جس تواتر نے ہم تک قرآن منتقل کیا ہے، اسی تواتر نے ان کی اصطلاحات کی عملی صورتوں کو بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اگر وہ ان کو نہیں مانتے تو پھر خود قرآن کو ماننے کے لئے بھی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی۔'' (تدبر قرآن: ۱/۲۹، طبع ۱۹۸۳ء، لاہور)

اب غامدی صاحب ذرا اپنے امام کے اس آئینے میں دیکھ کر بتائیں کہ کیا وہ وہی حرکت نہیں کر رہے جو منکرینِ حدیث کیا کرتے ہیں؟ اگر ان کے امام کے فتویٰ کے مطابق منکرین حدیث اس قصور پر کہ وہ قرآنی اصطلاحات کے مفہوم میں ترمیم وتغیر کرتے ہیں، منکرین قرآن ٹھہرتے ہیں تو کیا غامدی صاحب 'سنت' اور 'حدیث' کی اصطلاحات کے مفہوم میں تغیر وتبدل کرنے کے بعد 'منکرِ سنت' اور 'منکرِ حدیث' نہیں ٹھہرتے؟

www.KitaboSunnat.com

ہم کہتے ہیں کہ اُمت کی معروف دینی اور شرعی اصطلاحات کے مفاہیم ومطالب کو بدلنا مغالطہ انگیزی بھی ہے، فتنہ انگیزی بھی؛ فریب دہی بھی ہے، خیانت کاری بھی؛ ڈھٹائی بھی ہے اور بے شرمی بھی۔

اہل علم جانتے ہیں کہ تاریخ اسلام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے لئے 'شیخین' کی اصطلاح موجود ہے اور علم حدیث میں امام بخاری اور امام مسلم کو 'شیخین' کہا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص تاریخ اسلام کے شیخین کو علم حدیث کے شیخین قرار دے لے اور علم حدیث کے شیخین کو تاریخ اسلام کے شیخین ٹھہرائے تو ایسے آدمی کا کیا علاج ؟ اسے ٹی وی پر لوگوں کو دین سکھانے کے کام پر لگایا جائے یا اسے کسی شفاخانۂ امراضِ دماغی میں داخل کرایا جائے؟ پھر جب وہ اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کردے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے 'صحیحین' مرتب کی تھی اور امام بخاری اور امام مسلمؒ مسلمانوں کے بالترتیب پہلے اور دوسرے خلیفہ ہوگزرے ہیں، تو خدارا بتایئے اس کا کیا نتیجہ نکلے گا اور ایسے شخص کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ بسوخت زحیرت ایں چہ بوالعجبی ست

(جاری ہے)

داعیانِ حق وصداقت کیلئے خوشخبری

امام الانبیاء ﷺ کا طریقہ نماز

آمنہ عبداللہ ہسپتال فاخر شاہ روڈ، دیپال پور، ضلع اوکاڑہ کا دیدہ زیب فورکلر اشتہار برصغیر کی مشہور شخصیت بابا فرید الدین گنج شکر آف پاکپتن کی سوانح حیات میں امام الانبیاء ﷺ کے طریقۂ نماز کو اُردو ترجمہ کے ساتھ یوں پیش کیا گیا ہے کہ پڑھتے ہوئے انسان یوں محسوس کرتا ہے گویا آں حضرت ﷺ کو جمع بین الصلوٰتین فی السفر، قومہ، جلسہ استراحت، رفع الیدین، عیدین کی بارہ تکبیریں اور آمین بالجہر وغیرہ پر عمل کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہ اشتہار عاملین بالحدیث الشریف کے طریقۂ نماز کی درستگی پر شاہدِ عدل ہے۔ ہسپتال مذکور کے علاوہ اس پتہ سے بھی دستی یہ اشتہار حاصل کیا جاسکتا ہے:

ابومسعود عبدالجبار سلفی: جامع مسجد سعد بن ابی وقاص، چوک حجرہ شاہ مقیم، ضلع اوکاڑہ

www.KitaboSunnat.com

دار الإفتـــاء

ایفاے عہد کا عدالتی طور پر لزوم!؟

سوال: ایک شخص کے چند بیٹے کاروبار کے علاوہ دینی اور رفاہی کام بھی کرنا چاہتے ہیں، وہ عدالت کے روبرو باہمی معاہدہ کرتے ہیں کہ جو بیٹے کاروبار کریں گے، وہ دینی اور رفاہی خدمات کا خرچ بھی برداشت کرتے رہیں گے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ صدقہ یا ہبہ کا وعدہ پورا کرنا ضروری نہیں ہوتا لیکن عدالت نے اس معاہدے کی توثیق کرتے ہوئے فیصلہ سنا دیا ہے۔ اب اس سلسلے میں درج ذیل سوالات کے شرعی جوابات مطلوب ہیں:

① وعدہ یا عقد ایک ہی چیز ہیں یا الگ الگ؟

② عدالتی فیصلہ سے اس پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

③ اگر کسی وقت عدمِ استطاعت کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو اس کا کیا حل ہوگا؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں باہمی معاہدے کی حیثیت شرعی طور پر عقد کی ہے جس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی اس میں پس وپیش کرے تو اسے بذریعہ عدالت مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندبؓ، معروف تابعی حضرت حسن بصریؒ اور قاضیٔ کوفہ سعید بن اشوعؒ سے منقول ہے۔ (صحیح بخاری: بَابُ مَنْ أَمَرَ بِإِنْجَازِ الْوَعْدِ) امام اسحٰق بن راہویہ بھی اسی نقطہ نظر کے حامی ہیں۔ (حوالہ مذکورہ)

☆ خلیفہ راشد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز بھی اسی کے قائل ہیں۔

☆ اس حوالے سے یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اگر مسئلہ ایسے یک طرفہ وعدے کا ہوتا جس سے دوسرے فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوتی تو اختلاف کی گنجائش تھی لیکن ایسا وعدہ جو کسی سبب سے متعلق ہو، جملہ فقہا کے نزدیک اِجماعی طور پر پورا کرنا فرض ہے۔

③ ایضاً، ص ۴۴، ۴۵ ④ ایضاً، ص ۵۲

www.KitaboSunnat.com

(تفسیر قرطبی: ج۹ص ۷۹)

⑭ امام غزالی، ابن العربی اور مشہور فقہی مسالک کے دیگر فقہا بھی یہی کہتے ہیں۔ ائمہ سلف میں امام ابن شبرمہؒ کا قول اس معاملہ میں کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔

⑭ باہمی معاہدے کے طور پر بھی صورتِ مسئولہ کی پابندی لازمی تھی لیکن جب عدالت نے فیصلہ دے کر توثیق کر دی تو اب نزاع ختم ہو جانا چاہیے کیونکہ نزاع کی صورت میں عدالتی فیصلہ ہی حرفِ آخر ہوتا ہے۔

شریعت کے اصول فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ اور لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا یہی بتاتے ہیں کہ فرض وواجب کام کے سلسلے میں استطاعت شرط ہے اور اگر کسی وقت استطاعت نہ رہے یا عقد کا ذمہ دار دیوالیہ ہوجائے تو یہ فیصلہ عدالت کرے گی کہ متعلقہ شخص اس ذمہ داری کو کہاں تک پورا کرسکتا ہے؟

اراکین فتوٰی کونسل

شیخ الحدیث مفتی عبید اللہ عفیف　　شیخ الحدیث مولانا محمد رمضان سلفی

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف　　مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی

مولانا محمد شفیق مدنی　　مولانا عبدالسلام فتح پوری

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

نوٹ: اس موضوع پر كلية أبي هريرة للشريعة کے شیخ الحدیث محترم حافظ ذوالفقار علی صاحب کا تفصیلی مقالہ آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔　　ادارہ

دعاے صحت کی درخواست

'محدث' کے فاضل مقالہ نگار اور فتنۂ پرویزیت کی تردید میں بیسیوں مضامین وکتب سپردِ قلم کرنے والے جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد دین قاسمی کی گذشتہ دنوں ایک حادثے میں کلائی کی ہڈی فریکچر ہوگئی ہے جس کی وجہ سے فاضل موصوف ان دنوں علیل ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ فاضل موصوف ودیگر

⑤ التوبہ: ۱۲۸　⑥ الفتح: ۲۹　⑦ نقوشِ سیرت، ص ۶۴

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

حافظ محمد زبیر

اجتہاد یا الحاد

'اجتہاد' اور 'جہاد' عصر حاضر کی دو مظلوم اصطلاحیں ہیں۔ معاصر اسلامی معاشروں میں جس قدر ذہنی انتشار وفکری بگاڑ بڑھ رہا ہے، اس کی بڑی وجہ متجددین کا تصورِ اجتہاد ہے جبکہ دوسری طرف جتنی بھی منہج وعمل کی کج روی ہے، وہ متشددین کے نظریہ 'جہاد' سے پھوٹتی ہے۔

ویسے تو دنیا بھر میں ہی آئے روز نت نئے عجوبے پیدا ہوتے رہتے ہیں لیکن برصغیر پاک وہند اور مصر کو عالم اسلام میں اس لحاظ سے خصوصی امتیاز حاصل رہا ہے کہ دین حنیف سے منحرف ہونے والے اکثر و بیشتر گمراہ فرقوں کے سربراہان اور اسلامی اساسات وعقائد میں بگاڑ پیدا کرنے والے متجددین کا تعلق زیادہ تر انہی قطعہ ہائے زمین سے رہا ہے۔ خصوصاً برصغیر پاک وہند ابتدا سے ہی گمراہ فرقوں، متجددین، مفکرین اور نام نہاد مجتہدین کے لحاظ سے بہت زرخیز رہا ہے۔ ہند وپاک میں اس وقت اس قدر کثیر تعداد میں نام نہاد مفکرین پائے جاتے ہیں کہ اگر ان کی برآمد (export) کا کاروبار شروع کیا جائے، تو شاید عصر حاضر کا سب سے نفع بخش کاروبار یہی شمار ہو۔ زیر نظر مضمون میں ہم ایسے مفکرین کے تصور 'اجتہاد' کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ!

پاکستان کی 'اسلامی نظریاتی کونسل' ایک حکومتی ادارہ ہے اور آئین پاکستان کے مطابق اس کا کام پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو قانون سازی کے لیے ایسی سفارشات پیش کرنا ہے، جن کی روشنی میں عوام پاکستان دین اسلام کے مطابق اپنی زندگیاں گزار سکیں۔ اس کونسل کی پہلی بنیاد ۱۹۶۲ء کے آئین کے آرٹیکل ۱۹۹ کے تحت رکھی گئی تھی۔ اُمتِ مسلمہ میں پیدا شدہ فکری انحراف کو ہوا دینے کے لیے حال ہی میں 'اسلامی نظریاتی کونسل' سے منسلک سرکاری وغیر سرکاری متجددین نے 'اجتہاد' کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ جاری کیا ہے۔ اس رسالے کے تاحال

www.KitaboSunnat.com

تین شمارے شائع ہو چکے ہیں جن میں فکرِ اسلامی کے منحرفین، فقہ اسلامی کے متجددین اور 'پڑھے کم، لکھے زیادہ' دانشوران نمایاں ہیں۔ علاوہ ازیں شریعت سے ناواقف ان معاصر مجتہدین کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کے لیے ننگے سر و نیم عریاں بدن کے ساتھ خواتین کی تصاویر بھی جا بجا رسالہ اجتہاد میں موجود ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کی نظر میں کم فہم مولویوں کو ابھی تک یہ بات سمجھ نہ آ رہی ہو کہ 'اجتہاد' کے موضوع کا عورتوں کی ننگی تصاویر چھاپنے سے کیا تعلق ہے، لیکن ہمیں اُمید ہے کہ مولویوں کا منہ بند کروانے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کے محققین سہ ماہی 'اجتہاد' کے آزادیٔ نسواں کے کسی شمارے میں اس تعلق کے اثبات میں ضرور حکمت کے موتی بکھیریں گے۔ یہ عورت ذات بھی عجب شے ہے۔ زندگی کے ہر شعبے کی رونق اپنے بغیر ادھوری سمجھتی ہے۔ محسوس ہوتا ہے، اب کے تو یہ عورتیں جمالیاتی حس کی بیداری کو ہمارے ان مجتہدین سے اجتہاد کی بنیادی شرائط واہلیت میں شامل کروا کے ہی دم لیں گی۔

خیر اس موضوع پر تبصرے کے لیے ابھی ہم سہ ماہی 'اجتہاد' کے مزید شماروں کا انتظار کرتے ہیں۔ اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ سہ ماہی 'اجتہاد' کے پہلے شمارے کا موضوع 'اقبال اور اجتہاد'، دوسرے کا 'اسلام اور مغرب' اور تیسرے کا 'جدید علم الکلام' تھا۔ پرویز مشرف کی تشکیل کردہ اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین اور رسالہ 'اجتہاد' کے مدیر مسئول جناب ڈاکٹر خالد مسعود اس رسالے کے اجرا کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''رسالہ 'اجتہاد' کا مقصد اجتہاد پیش کرنا نہیں بلکہ اسلامی دنیا میں جاری فکری عمل کا جائزہ پیش کر کے دعوتِ فکر وعمل دینا ہے۔'' (سہ ماہی 'اجتہاد'، جون ۲۰۰۷ء، ص۲)

ڈاکٹر خالد مسعود کی اس بات پر ہم دو پہلوؤں سے گفتگو کریں گے۔ پہلی بات جس کا تذکرہ خالد مسعود صاحب نے کیا ہے کہ ''رسالہ اجتہاد کا مقصد اجتہاد پیش کرنا نہیں ہے۔'' تو اس رسالہ اجتہاد کو دیکھنے کے بعد یہ دعویٰ محل نظر ہے۔ مسعود صاحب کے اس دعوے کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو خود کو شادی کے لیے نااہل بتاتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس نے چار شادیاں رچا رکھی ہوں اور لوگوں کو بے وقوف بناتے ہوئے زبان سے ہر کسی کو یہی باور کراتا ہے کہ میں ''ساری زندگی شادی نہیں کروں گا۔'' رسالہ اجتہاد کے ہر دوسرے مقالے میں کوئی

www.KitaboSunnat.com

نہ کوئی مجتہد صاحب نت نئی تحقیقات پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، راشد شاز، خورشید احمد ندیم، الطاف احمد اعظمی اور خود ڈاکٹر خالد مسعود وغیرہ کی تحریریں اجتہادات نہیں تو کیا تقلیدِ جامد کو پیش کر رہی ہیں۔

ان تحریروں میں ان حضرات کے اپنے اجتہادات بھی شامل ہیں اور دوسرے روشن خیال دانشوروں کی تحقیقات بھی۔ مسعود صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے اس رسالے کا مقصد اسلامی دنیا میں پیش آنے والے فکری عمل کا تعارف ہے۔ رسالہ اجتہاد کے اجرا کے اس عظیم مقصد کے بارے میں ہم یہی کہیں گے کہ دنیاے اسلام میں جہاں جہاں نظریاتی بگاڑ، عقیدے کی کجی اور ذہنی انتشار وغیرہ موجود تھا، رسالہ اجتہاد نے اس سارے 'گند' کو اکٹھا پیش کرنے کے منصوبے کا آغاز کیا ہے۔ مثال کے طور پر خورشید احمد ندیم صاحب کو لیں۔ وہ سہ ماہی 'اجتہاد' ستمبر ۲۰۰۸ء میں مصر کے حوالے سے متجددین کی ایک علمی تحریک کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بیسویں صدی عیسوی کے مصر میں ایک جدید فکری تحریک نمودار ہوئی جو 'وسطانیہ' کے نام سے منسوب ہے۔ اس تحریک کے نمائندہ حضرات خود کو 'جدید اسلامی رجحان' کا نمائندہ قرار دیتے ہیں۔ اپنے خیالات کے اعتبار سے یہ گروہ روایت پسند اور سیکولر دونوں طرح کے طبقات سے مختلف ہے اور گویا دونوں کے وسط میں ہے۔'' (سہ ماہی 'اجتہاد': ستمبر ۲۰۰۸ء: ص ۱۱۷)

دوسری طرف عالم اسلام کی دو معروف اسلامی تحریکوں 'جماعت اسلامی' اور 'الاخوان المسلمون' کے بارے میں اپنے دل و دماغ میں بھرے ہوئے زہر، اور بغض کا اس پیرائے میں اظہار کرتے ہیں:

''مصر ایک ایسا ملک ہے جس کو اسلام کے نام پر ہونے والی پرتشدد سرگرمیوں کا سامنا ہے وہاں جہاد، اسلامک گروپ اور التکفیر والھجرۃ جیسے گروہ سرگرم ہیں۔ ولیم بیکر نے اپنی کتاب میں مصری اخبارات کے حوالے سے ایک ۳۳ سالہ نوجوان عادل عبدالباقی کی کہانی بیان کی ہے۔ یہ نوجوان سولہ برس تک مختلف انتہا پسند گروہوں سے وابستہ رہا۔ جب وہ گرفتار ہوا تو اس نے اپنے ذہنی سفر کی کہانی سنائی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس میں انتہا پسند خیالات پیدا کرنے میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں' اور سید

www.KitaboSunnat.com

قطبؒ کی معالم في الطریق نے اہم کردار ادا کیا۔ عبدالباقی نے یہ بھی بتایا کہ کس طرح ان متشدد جماعتوں میں تکفیر اور استحلال کے تصورات کو فروغ ملا۔''

(سہ ماہی 'اجتہاد': ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۱۱۸)

یعنی متجددین تو اُمتِ وسط ٹھہرے اور اسلامی تحریکیں متشددین قرار پائیں۔ آج کل ہر کوئی جماعت اپنے آپ کو معتدل و متوازن فکر کا حامل قرار دینے کی دعویدار ہے، لیکن اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ اس کا فیصلہ کیسے ہوگا کہ مصر کی 'وسطانیہ' تحریک کے رہنما شیخ محمد الغزالی، طارق بشری اور فہمی ہویدی وغیرہ تو معتدل جبکہ مولانا مودودیؒ اور سید قطب شہیدؒ انتہا پسند 'مولوی' ہیں؟ مولانا مودودیؒ یا سید قطب شہیدؒ اس جرم کی پاداش میں انتہا پسند ٹھہرے کہ وہ صرف اللہ ہی کی حاکمیت کا نعرہ لگاتے ہیں یا وہ عورتوں کے لیے نقاب کو لازم قرار دیتے ہیں، جس کی تردید کو خورشید ندیم صاحب نے اُمتِ وسط ہونے کا معیار ٹھہرا لیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر رسالہ اجتہاد کے 'مدیر مسئول' یا 'مہمان مدیر' یا 'مجلس ادارت' راسخ فکر علماء پر مشتمل ہوتی اور اس رسالے میں عالم اسلام میں ہونے والے اجتہادات کو اگر پیش کیا جاتا تو اس رسالے کی شکل وصورت، ہیئت وترکیب، ترتیب وتنظیم اور جمع و تدوین یکسر مختلف ہوتی۔ مثال کے طور پر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب 'اسلام اور مغربیت کی کشمکش' میں جب طالبینِ حق مصر کی مختلف اسلامی تحریکوں، علمی حلقوں اور مذہبی جماعتوں کے تاریخی پس منظر میں پیش کی جانے والی معتدل تحقیق کا مطالعہ کرتے ہیں تو موضوع ایک ہونے کے باوجود خورشید احمد ندیم اور علی میاںؒ کے مضامین، نتائج اور اُسلوبِ تحریر میں زمین وآسمان کا فرق پاتے ہیں۔ ہمیں تو یہی نظر آتا ہے کہ کچھ نااہل ومتعصب دانشور اجتہاد کے نام پر اکٹھے ہوگئے ہیں اور ساری دنیا میں اپنے جیسوں کو تلاش کر کے رسالہ اجتہاد کے ذریعے حکومتی خرچے پر ان کے کام کا تعارف کروانا چاہتے ہیں۔ ذیل میں ہم رسالہ اجتہاد میں 'اجتہاد' کے نام سے پیش کیے جانے والے فکری انتشار پر کچھ روشنی ڈال رہے ہیں:

جناب الطاف احمد اعظمی کا نظریۂ اجتہاد

رسالہ 'اجتہاد' نے جامعہ ہمدرد، بھارت کے شعبہ علومِ اسلامیہ کے ڈین جناب الطاف احمد

www.KitaboSunnat.com

اعظمی کا ایک مضمون 'خطبہ اجتہاد پر ایک نظر' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔اس مضمون کی آخری سطور میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ مضمون جناب مصنف کی ایک کتاب 'خطباتِ اقبال؛ ایک مطالعہ' کے ایک باب کی تلخیص ہے۔اب یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ تلخیص کس نے کی؟ اس مضمون کو رسالہ اجتہاد میں شائع کرنے کی خواہش خود مصنف کی طرف سے تھی یا رسالہ اجتہاد کے مدیران کو مصنف کے فکری انتشار نے گرویدہ بنا لیا اور اُنہوں نے اس تحریر کو شائع کر دیا۔ جو بھی صورت ہو، الطاف صاحب لکھتے ہیں:

''اس گفتگو سے ہم اس نتیجے تک پہنچے کہ قرآنِ مجید میں جن معاملاتِ زندگی سے متعلق تفصیلی احکام دیے گئے ہیں، وہ ناقابل تغیر ہیں اور جہاں یہ تفصیل نہیں ہے، وہاں بالقصد تفصیل سے گریز کیا گیا ہے تاکہ ان اُمور میں حالات ومقتضیاتِ زمانہ کے لحاظ سے تفصیلی احکام بنائے جائیں، اسی کا نام 'اجتہاد' ہے، اس سلسلے میں نبی ﷺ کے اجتہادات کی حیثیت [محض] نظائر کی ہے۔ یہاں ایک اہم سوال اُٹھتا ہے کہ کیا نبی ﷺ کی تشریحاتِ نصوص یعنی اجتہادات کی حیثیت دائمی ہے یعنی ناقابل تغیر اور ہر دور کے حالات میں خواہ وہ عہدِ نبویؐ کے حالات سے یکسر مختلف ہوں، کسی ردّ وبدل کے بغیر واجب التعمیل ہیں؟ کم نظر علما کا خیال ہے کہ اجتہاداتِ نبوی دائمی ہیں اور ان میں کوئی ترمیم واضافہ جائز نہیں ہے۔اس سلسلے میں قولِ حق یہ ہے کہ نبی ﷺ کے وہ اعمال جو عبادات اور اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں، ناقابل تغیر ہیں، لیکن معاملات سے متعلق احکام کی حیثیت دائمی نہیں ہے بلکہ حالات وظروف زمانہ کے لحاظ سے ان میں تبدیلی ہوسکتی ہے...اسلامی قانون کے ماخذ کی نسبت اس تفصیلی گفتگو سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ مستقل بالذات ماخذِ قانون کی حیثیت صرف قرآنِ مجید کو حاصل ہے اور وہ دائمی یعنی ناقابل تغیر ہے۔ دیگر مآخذِ قانون کی یہ حیثیت نہیں ہے، وہ احوال وظروفِ زمانہ کے تابع ہیں یعنی قابل تغیر جیسا کہ بیان ہوا۔'' (ص ۳۰، ۳۱، ۳۵)

الطاف صاحب کا خیال ہے کہ جن معاملات میں قرآن کے احکامات مجمل ہیں، ان مجمل احکامات کی تشریح میں وارد آپؐ کی احادیث کی حیثیت دائمی نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی ایسی احادیث آپؐ کے اجتہادات ہیں اور یہ احادیث صرف آپؐ ہی کے زمانے کے تہذیب وتمدن کے مسائل کے حل کے لیے ہی تھیں۔گویا شریعتِ محمدیؐ کی حیثیت ایک نظیر کی ہے جس طرح

www.KitaboSunnat.com

بعد کے خلفا یا مجتہدین کی فقہ بھی ایک نظیر کی حیثیت کی حامل ہے۔ یہ غلام احمد پرویز کے نظریۂ 'مرکز ملت' ہی کی بازگشت یا اس کا جدید ایڈیشن ہے۔ اسی بنا پر پروفیسر الطاف صاحب کا کہنا یہ بھی ہے کہ ان کی قبیل کے مجتہدین کو قرآن کی مجمل نصوص کی تشریحات آج کے احوال وظروف کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعے کرنی چاہئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علمائے حق کے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ کی سنن اور احادیث چاہے ان کا تعلق قرآن کے کسی مجمل حکم کی شرح سے ہو یا وہ قرآن کے علاوہ کسی نئے حکم کا ماخذ ہوں ، ہر دو صورتوں میں دائمی اور ناقابل تغیر حیثیت کی حامل ہیں۔ ان احادیث کا مقام اُمتی مجتہدین وفقہا کی آرا کی طرح محض ایک نظیر کا نہیں ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کے ارشادات کا مقام ومرتبہ متعین کرنا پروفیسر الطاف صاحب کا کام نہیں ہے بلکہ یا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (النساء:۵۹)

''اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی بات مانو۔ پس اگر کسی بھی مسئلے میں تمہارا (اولی الامر سے) جھگڑا ہو جائے تو تم اس مسئلے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ (یعنی قرآن وسنت) کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس قرآنی ہدایت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تو مستقل ہے جب کہ اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے، بلکہ اگر اُولی الامر کا باہمی یا کسی دوسرے کا ان سے اختلاف ونزاع ہو جائے تو اس کا حل اللہ اور اس کے رسول ﷺ (کتاب وسنت) کی طرف رجوع کرنا ہی ہوگا۔ ان اختلافات کے بارے میں واضح رہے کہ یہ اختلافات نصوص کی تعبیر وتشریح اور ان کے اطلاقات سمیت جملہ انسانی معاملات میں ہو سکتے ہیں۔ ان تمام کے بارے میں ربانی ہدایت یہی ہے کہ ان معاملات میں کتاب وسنت کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا اور اس وقت اُولی الامر کی عوام پر اتھارٹی ختم ہو جائے گی۔

www.KitaboSunnat.com

ملاحظہ فرمائیے کہ اس آیتِ مبارکہ کے دوسرے جزء ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ﴾ میں شيء نکرہ وارد ہوا ہے اور لغتِ عرب کا یہ معروف قاعدہ ہے کہ جب نفی، نہی یا کسی استفہام وشرط کے سیاق میں نکرہ ہو تو وہ اپنے عموم میں نص بن جاتا ہے یعنی پھر اس سے عموم بیان کرنا متکلم کا منشا ہوتا ہے۔ (الوجیز: ص ۳۰۸) لہٰذا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی قسم کے مسئلے میں بھی اگر شرعی حکم کے حوالے سے بحث ہو جائے تو اس مسئلے کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے قرآن وسنت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اَب ذرا اعظمی صاحب کے نظریے کا جائزہ نبی ﷺ کی اس حدیث کی روشنی میں لیجئے:

«يوشك الرجل متكئًا على أريكته يحدث بحديث من حديثي فيقول بيننا وبينكم كتاب الله ما وجدنا فيه من حلال استحللناه وما وجدنا فيه من حرام حرّمناه وإن ما حرم رسول الله ﷺ مثل ما حرم الله»

(سنن ابن ماجہ، کتاب المقدمہ، باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ)

''(وہ زمانہ) قریب ہے کہ ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا اور اس کے پاس میری احادیث میں سے کوئی حدیث بیان کی جائے گی تو وہ شخص کہے گا: ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے پس جس کو اللہ کی کتاب نے حلال ٹھہرا دیا تو ہم بھی اس کو حلال سمجھیں گے اور جس کو ہم نے اللہ کی کتاب میں حرام پایا تو ہم بھی اسے حرام قرار دیں گے (اور یہی ہمارے لیے کافی ہے)۔ (خبردار!) بے شک جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے، وہ اسی طرح حرام ہے جیسے کسی شے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہو۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے سنت میں بیان شدہ کسی بھی حلال یا حرام شے کی حلت یا حرمت کے منکر کو ایک فتنہ پرور شخص قرار دیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی یہ پیشین گوئی اس اعتبار سے سچ ثابت ہوئی ہے کہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں نام نہاد مفکرین اور عقلیت پسند احادیثِ رسولؐ کا کسی نہ کسی انداز سے انکار کرتے ہی رہے ہیں۔ بعض نے اپنے نظریات کے منافی سنن واحادیث کو نظائر تاریخی قرار دے کر ان کی شرعی حیثیت کا اِنکار کر دیا جیسا کہ غلام احمد پرویز کا موقف تھا جبکہ بعض نے اپنے موقف کے خلاف حدیث کے انکار کے لیے حیلوں بہانوں سے کام لیا جیسا کہ الطاف اعظمی کا خیال ہے کہ اخلاق

www.KitaboSunnat.com

وعبادات سے متعلق احادیث تو قابل قبول ہیں، لیکن ان کے علاوہ معاشیات، سیاسیات، معاشرت، جہاد وقتال، حدود و جنایات، قضا، طعام و قیام، لباس وزینت اوردیگر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق مروی احادیث قرآن کی ایسی تشریح تھیں جو صرف آپؐ کے زمانے کے لیے واجب العمل تھی۔ یہ نکتہ نظر پبلک لاء کی حد تک ہو بہو غلام احمد پرویز کا ہے۔ الطاف صاحب کا یہ نظریہ ان کی ایک ذاتی رائے ہے جس کی کوئی شرعی دلیل تا حال ان کو نہ مل سکی، بلکہ دلیل تو ان کے اس نظریے کے خلاف قائم ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث پروفیسر صاحب کے نکتہ نظر کا پرزور ردّ کر رہی ہے۔ اس طرح ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا:

"فقال كيف تقضي فقال أقضي بما في كتاب الله قال فإن لم يكن في كتاب الله قال فبسنّة رسول الله . قال فإن لم يكن في سنة رسول الله . قال اجتهد رأيي" (سنن الترمذی، كتاب الأحكام عن رسول الله ، باب ما جاء في القاضي كيف تقضي)

''آپؐ نے پوچھا کہ تم کیسے فیصلہ کرو گے تو حضرت معاذؓ نے کہا: جو کتاب اللہ میں ہے، میں اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ اگر وہ (مسئلہ صریحاً وتفصیلاً) کتاب اللہ میں نہ ہو تو حضرت معاذؓ نے کہا: میں سنت رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا (کیونکہ اس میں صراحت اور تفصیل قرآن کی نسبت زیادہ ہے)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر وہ (مسئلہ صریحاً وتفصیلاً) سنتِ رسول ﷺ میں بھی نہ ہو۔ حضرت معاذؓ نے جواب دیا: میں اپنی رائے (بنانے) میں اجتہاد (یعنی قرآن وسنت میں پوری کوشش و طاقت صرف کرکے استنباط) کروں گا۔''

یہ روایت ثبوت کے اعتبار سے اگرچہ مختلف فیہ ہے۔ جلیل القدر محدثین تو فن حدیث کی رو سے اسے ضعیف قرار دیتے ہیں، لیکن مسلم قرونِ وسطیٰ کے بہت سے اُصولی علما اسے معرضِ استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ معتدل مزاج متاخرین نے یوں تطبیق دی ہے کہ «لا تجتمع أمتي على الضلالة» (اجماع کی دلیل والی روایت) کی طرح اس کا متن تو معیاری نہیں، لیکن کتاب وسنت کے بعد درجہ اجتہاد کی حد تک اس کا مفہوم درست ہے، اسی لیے اُصول

www.KitaboSunnat.com

کی کتابوں میں متذکرہ بالا دونوں روایتیں اجماع اور اجتہاد کی دلیل کے طور پر اکثر پیش کی جاتی ہیں۔

اس روایت کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا جا رہا تھا تو اس وقت اللہ کے رسول ﷺ کا یہ سوال کہ ''تم کیسے فیصلہ کرو گے؟'' صرف عقیدے یا اخلاقیات کے جھگڑے کے بارے میں نہ تھا بلکہ ہر قسم کے اختلاف کے بارے میں پوچھا جا رہا تھا کہ اس کا فیصلہ کیسے کرو گے؟ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ حکمران یا گورنر کی طرف اکثر وبیشتر انسانوں کے باہمی معاملات Public Laws سے متعلقہ تنازعات کے حل کے لیے ہی لوگ رجوع کرتے ہیں۔

الطاف صاحب نے جن معروف علماے کرام کو 'کم نظر' ہونے کا طعنہ دیا ہے اس پر ہمیں کوئی گلہ نہیں ہے، کیونکہ صائب فکر علما کتاب وسنت سے آگے بڑھ کر تیز نظر نہیں ہوتے، کیونکہ شریعت کی پابندی ہی سلامتی کی ضامن ہے اور بدعت واضافہ گمراہی! متجددین کو یہ 'تیز نظر' مبارک ہو۔ ایسی تیز نظری اگر واقعتاً کوئی اعلیٰ صفت ہوتی تو 'اُلو' میں یہ صفت نہ پائی جاتی، جو اہل علم ودانش کے ہاں کم از کم قابل ستائش پرندہ نہیں ہے۔

جناب ڈاکٹر جاوید اقبال کا نظریۂ اجتہاد

الطاف صاحب سے زیادہ بے باکانہ نکتہ نظر ڈاکٹر جاوید اقبال کا ہے کہ مجمل تو کیا قرآن کے مفصل احکامات میں بھی تغیر وتبدل ہوسکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''قرآنِ پاک میں اللہ پاک نے عدل کے ساتھ احسان کی بھی ترغیب دے رکھی ہے، لہٰذا وہاں احسان کے معنی برابری کے لیے گئے۔ یعنی بعض حالات میں قرآن پاک میں مقرر کیے گئے وراثت کے حصص میں ردّو بدل ہوسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر میں چاہتا ہوں کہ میری جائیداد ساری کی ساری میری بیٹی کو ملے تو میں کیوں ایسا نہیں کرسکتا۔ بیٹی یا بہن سارا گھر چلاتی ہے لیکن جائیداد کی تقسیم کے وقت اسے آدھا حصہ ملتا ہے... میرا موقف یہ ہے کہ ایک نئی فقہ پارلیمنٹ کے ذریعے بنائی جائے جس میں امامیہ، حنفی، مالکی وغیرہ سب مکاتبِ فکر شامل ہوں جس میں ہر کوئی اپنی پسند کے مطابق اپنے مسئلے کا حل نکال لے۔''

(سہ ماہی 'اجتہاد': جون ۲۰۰۷ء، ص ۸۵)

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر اعظمی کے بقول ڈاکٹر اقبالؒ بھی اسی نظریہ کے حامل ہیں، گویا اُنہوں نے اپنی کتاب 'تشکیلِ جدید' میں یہی بیان کیا ہے۔الطاف احمد اعظمی صاحب اس نکتہ نظر پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''گزشتہ صفحات میں ہم نے اسلامی قانون کے مآخذ کے بارے میں اقبال کے خیالات کا جو تنقیدی جائزہ لیا ہے، اس سے بالکل واضح ہوگیا کہ وہ ان مآخذ کے بارے میں ایک واضح تصور رکھتے تھے۔لیکن اسلامی قانون کے اولین ماخذ یعنی قرآنِ مجید کے متعلق ان کے خیالات بہت واضح نہیں تھے۔مثلاً ان کا خیال ہے کہ قرآن مجید کے بعض احکام مقامی نوعیت کے ہیں اور ان کا اطلاق بعد کے زمانوں میں نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں اُنہوں نے جرائم کی ان سزاؤں کا ذکر کیا ہے جو قرآنِ مجید میں بیان ہوئی ہیں۔اُنہوں نے لکھا ہے کہ یہ سزائیں عربوں کے مزاج اور ان کے مخصوص تمدنی حالات کے تحت مقرر کی گئی تھیں، اس لیے مستقبل کی مسلم اقوام پر ان کو جوں کا توں نافذ کرنا صحیح نہ ہوگا۔'' (سہ ماہی 'اجتہاد': جون ۲۰۰۷ء، ص ۳۵)

اللہ ہمارے ان معاصر دانشوروں کو ہدایت دے، یہ اس مسئلے میں اجتہاد کیوں نہیں کرتے کہ یہ سب اجتہاد کی تعریف یا اس کے اطلاق وانطباق پر ہی کم ازکم متفق ہو جائیں۔ الطاف صاحب، ڈاکٹر اقبال مرحوم کے نقطہ نظر کا ردّ تو کررہے ہیں، لیکن ان کے پاس نہ تو اقبال مرحوم کے تصورِ اجتہاد کی تردید میں کوئی دلیل ہے اور نہ ہی اپنے مزعومہ نظریۂ اجتہاد کی تائید میں کوئی استدلال۔ بھلا جب بات دلیل کے بغیر ہی کرنی ہو تو غلام احمد پرویز کی طرح کوئی سر پھرا یہ تصورِ اجتہاد بھی پیش کرسکتا ہے کہ قرآن کے سارے ہی احکامات اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے کی تہذیب وتمدن کے ساتھ خاص تھے۔یعنی نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری!

ڈاکٹر جاوید اقبال نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک ایسی نئی فقہ بنانی چاہیے کہ جس میں ہر کوئی اپنی پسند کے مطابق مسئلے کا حل نکالے۔ جب اپنی ذاتی پسند ہی معیارِ اجتہاد ٹھہرا تو ایسی نئی فقہ☆

☆ قرآنِ کریم تو وراثت میں حصص مقرر کرکے واضح اعلان کرتا ہے: ﴿فَرِيضَةً مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (النساء:۱۱) یعنی یہ تعیینِ حصص اللہ کی مقرر کردہ تقسیم ہے اور اللہ ہی دائمی علم وحکمت والا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال اپنی حکمت ودانش سے یہ شگوفہ چھوڑ رہے ہیں کہ تمام فقہا جس اصول پر متفق ہیں، وہاں بھی ان دانس وبینش سے تبدیلی کردی جائے۔

www.KitaboSunnat.com

کی ترتیب وتدوین کے لیے ماشاء اللہ ڈاکٹر صاحب موصوف مناسب ترین آدمی ہیں، علماء کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے؟ زیادہ سے زیادہ ڈاکٹر صاحب کو یہ اجتہاد (کوشش) کرنا ہو گا کہ دل سے پوچھنا پڑے گا کہ تجھے شراب پینا پسند ہے یا نہ پینا؟ نفس سے یہ سوال کرنا ہوگا کہ اسے نماز پڑھنا پسند ہے یا نہ پڑھنا؟ بلکہ دل و دماغ سے یہ بھی رائے لی جا سکتی ہے کہ اسے کسی خدا کے وجود کو ماننا پسند ہے یا نہ ماننا؟ باقی رہے اس پسند و ناپسند کے دلائل، تو عقل خدا نے کس لیے دی ہے؟ آخر وہ کس کام آئے گی؟ آخر اسی عقل ہی نے تو بعضوں کو سمجھایا کہ اتنی پی لینے میں کوئی حرج نہیں ہے جس سے دماغ خراب نہ ہو۔ ہمیں اُمید ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس نئی فقہ کی تدوین کے ذریعے نفس پرستوں کے ایک ایسے فرقے کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، جن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا﴾ (الفرقان:۴۳)

''اے نبی ﷺ! کیا آپؐ نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے اپنی خواہشِ نفس (پسند) کو اپنا معبود بنا لیا ہے (یعنی ہر مسئلے میں اپنی پسند کو ترجیح دیتا ہے) کیا آپؐ ایسے شخص کی ذمہ داری اُٹھائیں گے؟''

جناب ڈاکٹر صاحب نے ایک اور نیا شوشہ یہ بھی چھوڑا ہے کہ اجتہاد علما کی بجائے وکلا کو کرنا چاہیے۔ چونکہ علما جدید قانون سے واقف نہیں ہیں، لہٰذا وکلا کو اسلامی فقہ اور اُصولِ فقہ سے متعلق ایک دو اضافی مضامین پڑھا کر مجتہد کی سند جاری کر دینی چاہیے۔ رسالہ 'اجتہاد' میں ہے:

''جناب جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال نے بحث کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ اجتہاد کا تعلق بہت حد تک قانون کی تعلیم سے ہے۔ پاکستان میں بہت شروع سے اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ملک کے قانونی تعلیم کے اداروں میں 'جیورس پروڈنس' یا فلسفہ قانون کی تعلیم دی جائے اور جدید قانون کے ساتھ اسلامی قانون کا تقابلی مطالعہ بھی تعلیم میں شامل ہو۔ اس طرح جو قانون کے اداروں سے فارغ التحصیل قانون دان ہوں، وہ علما کی جگہ لے سکیں گے کیونکہ وہ جدید قانون کے ساتھ فقہ سے بھی شناسا ہوں گے، اس طرح قانونی تعلیم میں اصلاح کا آغاز ہو گا۔'' (سہ ماہی 'اجتہاد': جون ۲۰۰۷ء، ص۳)

ویسے ڈاکٹر جاوید اقبال جس قسم کا اجتہاد کرنا چاہتے ہیں (یعنی ذاتی پسند کے مسئلے نکالنا)

www.KitaboSunnat.com

اس کے لیے واقعتاً ڈاکٹر صاحب جیسے ججوں اور وکلا ہی کی جماعت زیادہ مناسب رہے گی۔

جناب راشد شاز کا نظریۂ اجتہاد

ویسے تو رسالہ اجتہاد کے تقریباً تمام دانشوروں کی شان ہی نرالی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر دانش ور کچھ ایسے اوصاف ونظریات کا حامل ومبلغ ہوتا ہے جو دوسرے کسی دانش ور میں موجود نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال قرآن کے مفصل احکامات میں اجتہاد (ردّ و بدل) کے داعی ومبلغ ہیں تو پروفیسر الطاف صاحب قرآن کے مجمل احکامات کی تفسیر میں مروی احادیث کا انکار کرتے ہوئے اجتہاد کرنے کے پرجوش حامی ہیں۔ راشد شاذ صاحب کا خصوصی ذوق وشوق یہ ہے کہ تمام قدیم فقہی مذاہب وآرا کو آنِ واحد میں یکسر مسترد کرتے ہوئے نئے سرے سے قرآن کی شرح وتفسیر کی جائے اور جدید حالات اور تہذیب وتمدن کے مطابق سارے دین کی ایک ایسی تشکیل نو کی جائے، جس میں کسی سابقہ عالم دین کا تذکرہ یا حوالہ تو کیا نام تک بھی موجود نہ ہو۔ جناب راشد شاز صاحب لکھتے ہیں:

''جدید مصلحین کو ابتدا ہی سے اس بات کا التزام کرنا ہوگا کہ وہ تاریخی اسلام اور نظری اسلام میں نہ صرف یہ کہ امتیاز کریں بلکہ مطالعہ قرآنی میں ایک ایسے منہج کی داغ بیل ڈالیں جس کے ذریعے انسانی تعبیرات اور التباسات کے پردوں کا چاک کیا جانا ممکن ہو۔ اور یہ جب ہی ممکن ہے جب ہر مسئلہ کو از سرنو تحقیق وتجربہ کا موضوع بنایا جائے اور ہر مسئلہ پر قرآنی دائرۂ فکر میں از سرنو گفتگو کا آغاز ہو۔ یقین جانئے، اگر ہم قرآنِ مجید کو حَکَم مانتے ہوئے اپنے تہذیبی اور علمی ورثے کا ناقدانہ جائزہ لینے کی جرات پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم خود کو فکری طور پر نزولِ وحی کے ان ایام میں پائیں گے جب وحی کی ضیا پاشیاں ہمارے قلب ونظر کو منور اور ہمارے ملی وجود کو طمانیت سے سرشار رکھتی تھیں۔'' (سہ ماہی 'اجتہاد': ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۴۷)

جناب راشد شاذ اپنے جیسے نام نہاد مصلحین کو بڑا اچھا مشورہ فراہم کر رہے ہیں، کیونکہ ان لوگوں نے بھی تو دنیا میں کچھ کرنا ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ جتنا عرصہ ان مصلحین کو دین کی نئی تعبیر یا تشکیل میں لگے گا تو اس وقت تک یا تو یہ مصلحین اس دنیا سے رخصت ہو کر قدما میں شامل ہو چکے ہوں گے یا پھر دنیا بہت ترقی کر چکی ہوگی لہٰذا آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ان مفکرین کی نئی تعبیر وتشکیل قدیم بن جائے گی اور اگر آئندہ آنے والی نسل جناب راشد شاز

www.KitaboSunnat.com

کے اس نظریہ کو تسلیم کر لیں کہ ہر قدیم تعبیر کو ردّ کر دو تو وہ راشد شاذ کی تشکیل نو کو دیوار سے مارتے ہوئے یہ نعرہ لگائیں گے کہ اس تعبیر دین کو بھی کسی کوڑے کرکٹ کے ڈرم میں پھینک کر دین کی جدید ترین تعبیر کی تلاش میں سرگرم ہو جاؤ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔اس طرح چودہ صدیوں میں اگر چھ سات فقہیں سامنے آئی ہیں تو اب ایک صدی میں چھ یا سات سو نئی تعبیریں وجود میں آ جائیں گی، کیونکہ ان کی نظر میں پرانے زمانوں میں مجتہد کم ہوتے تھے اب تو ماشاء اللہ ہر دوسرا دانش ور مجتہد ہونے کا دعویدار ہے۔اور وہ دن دور نہیں ہے کہ جب یہ متجد دین اپنے بچوں کے نام کے ساتھ بھی مجتہد کا سابقہ یا لاحقہ لگانے کے لیے کوئی 'مجتہد ماڈل پبلک سکول' بھی کھول لیں۔ایک اور جگہ راشد شاز صاحب لکھتے ہیں:

''نئے مصلحین کو اس بات کا التزام بھی کرنا ہوگا کہ وہ وحی ربانی کے مقابلہ میں صدیوں کے متوارث عمل کو، خواہ اس پر مفروضہ اجماع کی مہر ہی کیوں نہ لگ گئی ہو، از سر نو تحلیل و تجزیے کا موضوع بنائیں۔اب یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا کہ کسی مخصوص مسئلے پر فلاں فلاں فقہاء اور ائمہ کی کتابوں میں یوں لکھا ہے یا یہ کہ فلاں مسئلہ پر اُمت کا اجماع ہو چکا ہے جسے از سر نو بحث کی میز پر نہیں لایا جا سکتا۔خدا کے علاوہ انسانوں کے کسی گروہ کو اس بات کا اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اجماع کی دھونس دے کر یا اہل حل وعقد کے حوالے سے ہمیں کسی مسئلہ پر تحلیل وتجزیے سے باز رکھے۔'' (سہ ماہی 'اجتہاد': ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۷۸)

راشد صاحب کو پتہ نہیں کس نے 'اجماع' کی دھونس لگا دی، جو وہ اس قدر سیخ پا ہو رہے ہیں۔ویسے راشد صاحب کو اس غم میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی ان کو اجماع کے خلاف رائے اختیار کرنے پر جبر وتشدد کا نشانہ بنائے گا۔یہاں تو لوگ سنت، سنت کیا قرآن کا انکار کر دیتے ہیں لیکن کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں ہے۔ہندو، سکھ، عیسائی، قادیانی، اہل تشیع، منکرینِ حدیث وغیرہ اسی ہندو پاک کے معاشرے میں رہتے ہیں۔آج تک اُنہیں تو کسی نے اجماع کی دھونس نہیں لگائی۔اگر تو راشد شاز صاحب کا اجماع کی دھونس سے مراد کسی عالم دین کا اِجماع کی پابندی کرنے پر زور دینا اور اس سے متعلقہ علمی دلائل کو بیان کرنا ہے تو پھر یہ دھونس تو راشد شاز بھی یہ کہہ کر علماء کو لگا رہے ہیں کہ 'اجماع کی پابندی نہ کرو'۔اگر اپنی رائے کے حق میں دلائل بیان کرنا اور اس پر اِصرار کرنا دھونس ہے تو ہماری نظر میں سب سے زیادہ

www.KitaboSunnat.com

دھونس لگانے والے تو رسالہ 'اجتہاد' کے نام نہاد مجتہدین ہیں جو بغیر دلیل کے معتدل فکر اور راسخ العلم علما کو متشدد، متعصب، کم نظر وغیرہ جیسے سابقوں اور لاحقوں سے نوازتے رہتے ہیں۔

راشد صاحب کو اصل بے چینی یہ ہے کہ ان کے اس قدر چیخنے و چلانے کے باوجود بھی لوگ قدیم فقہی اجتہادی آرا پر اعتماد کیوں کرتے ہیں؟ ہمارا خیال یہ ہے کہ راشد صاحب کی اس بے چینی کا علاج سوائے نیند کی گولیوں کے اور کچھ نہیں ہے، کیونکہ جو قوم چودہ سو سال تک ائمہ سلف سے اپنا رشتہ جوڑنے پر مصر رہی ہو، وہ جناب راشد شاز کے عظیم مشوروں کی بدولت اپنے صالح آباؤ واجداد اور ان کی علمی میراث سے قطع تعلقی پر کیسے آمادہ ہو جائے گی؟ لوگ صدیوں سے قرآن وسنت کی تفہیم میں ائمہ سلف کو اہمیت دیتے رہے ہیں اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا، اِلا یہ کہ سابقہ متجددین کے زندگی بھر کے حاصل کی طرح کوئی چالیس، پچاس آدمی راشد شاز صاحب کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ان کے فکری جہاد کی تحریک میں شامل ہو کر 'ثواب دارین' حاصل کریں۔

جناب جاوید احمد غامدی کا تصورِ اجتہاد

جناب جاوید احمد غامدی بھی پرویز مشرف کی روشن خیال اسلامی نظریاتی کونسل کے کلیدی رکن اور رسالہ 'اجتہاد' کی مجلس ادارت کے ممبر ہیں۔کونسل کے ممبران کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی کے رکن بننے سے قبل تبصرہ یہ تھا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے مجتہدین اجتہاد کے اہل نہیں ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''اسلام کے بارے میں جو شکوک وشبہات یا سوالات اس وقت دنیا میں پیدا ہو رہے ہیں، ان میں سے بیشتر کا تعلق فقہ وشریعت ہی سے ہے۔ جہاد وقتال کی حدود وشرائط، نظم سیاست اور اس میں شوریٰ کی نوعیت، نظم معیشت اور سودی نظام کے مسائل، خواتین کے حوالے سے پردہ، تعددِ ازواج اور طلاق وغیرہ کے احکام، شہادت اور دیت کے بارے میں قوانین، قتل، زنا، چوری اور ارتداد جیسے جرائم کی سزائیں، موسیقی، مصوری اور دیگر فنونِ لطیفہ کی شرعی حیثیت اور اس نوعیت کے متعدد موضوعات ہیں، جن کے بارے میں سوالات زبان زد عام ہیں۔ ہمارے علماء کے پاس چونکہ ان سوالات کے تسلی بخش جواب نہیں ہیں، اس لیے یہ تصور قائم کیا جارہا ہے کہ اسلامی شریعت عہدِ رفتہ کی یادگار ہے...اس تناظر میں اسلامی نظریاتی کونسل سے

www.KitaboSunnat.com

مقصود اصل میں یہی ہے کہ اوّلاً: اسلامی شریعت کے بارے میں پائے جانے والے شکوک وشبہات کو رفع کرے۔ ثانیاً: اجتہادی معاملات کو متعین کرے اور ان میں اپنی اجتہادی آرا سے قوم وملت کو آگاہ کرے۔ ثالثاً: پارلیمنٹ کی رہنمائی کے لیے انفرادی اور اجتماعی معاملات کے بارے میں قوانین کو مرتب کرے...اب سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی نظریاتی کونسل ان ضرورتوں کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ تو میرے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا نظامِ تعلیم ایسے جید علما تیار کرنے سے قاصر ہے جو دورِ جدید کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے اہل ہوں۔ یہ نظامِ تعلیم تقلیدِ جامد کے اُصول پر قائم ہے، اس کا اصرار ہے کہ دین کی تعبیر وتشریح کے حوالے سے قدیم علما کا کام ہر لحاظ سے مکمل ہے، ان کے کام کی تفہیم اور شرح و وضاحت تو ہوسکتی ہے مگر اس پر نظرِ ثانی کی کوئی گنجائش نہیں۔ دورِ اوّل کے فقہا نے جو اُصول وقوانین مرتب کیے ہیں، وہ تغیراتِ زمانہ کے باوجود قابل عمل ہیں، اس ضمن میں تحقیق واجتہاد کی نہ ضرورت ہے کہ نہ اس بات کا اَب کوئی امکان کہ کوئی شخص مجتہد کے منصب پر فائز ہو سکے۔ ہمارے علما اسی نظامِ تعلیم کی پیداوار ہیں، چنانچہ وہ اپنی انفرادی حیثیت میں ہوں یا کسی ادارے کی صورت میں مجتمع ہوکر اپنے فرائض انجام دے رہے ہوں، وہ اس کی اہلیت ہی سے محروم ہیں کہ اسلامی شریعت کی شرح و وضاحت کرسکیں یا جن معاملات میں شریعت خاموش ہے، ان کے بارے میں اپنی آرا پیش کرسکیں۔ یہی علما اسلامی نظریاتی کونسل کا حصہ ہیں، لہٰذا اس ادارے سے اس کی توقع رکھنا عبث ہے کہ اسلامی شریعت کے بارے میں ان سوالات کا جواب دے سکیں، جو ذہین مسلمان عناصر کی جانب سے اُٹھائے جا رہے ہیں اور ان شکوک وشبہات کو رفع کرسکیں، جن کا اسلام کو عالمی سطح پر سامنا ہے۔'' (ص ۱۴۲، ۱۴۳)

جناب جاوید احمد غامدی کا اسلامی نظریاتی کونسل کے مجتہدین کے بارے میں یہ تبصرہ دسمبر ۲۰۰۵ء کے روزنامہ 'جنگ' میں شائع ہوا ہے۔ اور صرف ایک ماہ بعد جنوری ۲۰۰۶ء میں غامدی صاحب کو کونسل کا رکن منتخب کرلیا گیا۔ غامدی صاحب کے علماء کے ساتھ تعصب کو داد دیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے اراکین میں اجتہاد کی صلاحیت نہ ہونے کا سبب ان کے علماء ہونے کو ٹھہرا رہے ہیں حالانکہ جب غامدی صاحب نے یہ بیان دیا تو رسالہ 'اجتہاد' کے مطابق اس وقت اسلامی نظریاتی کونسل کے اکثر اراکین وہ تھے جن کا علما سے کوئی دور پار کا بھی رشتہ نہ تھا۔ مثال کے طور پر

www.KitaboSunnat.com

۱۔ جناب ڈاکٹر محمد خالد مسعود، پی ایچ ڈی اسلامیات، میک گل یونیورسٹی، کینیڈا
۲۔ جناب ڈاکٹر منظور احمد، پی ایچ ڈی، لندن یونیورسٹی
۳۔ جناب جسٹس (ر) ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، پی ایچ ڈی، کیمبرج یونیورسٹی
۴۔ جناب جسٹس (ر) ڈاکٹر منیر احمد مغل، سابق جج لاہور ہائی کورٹ
۵۔ جناب جسٹس (ر) حاذق الخیری ۶۔ جناب پروفیسر مظہر سعید کاظمی
۷۔ محترمہ ڈاکٹر پروفیسر سید بی بی ۸۔ جناب حاجی محمد حنیف طیب
۹۔ جناب مولانا عبداللہ خلجی ۱۰۔ جناب پیر سید دامن علی

کیا ان اراکین کی اکثریت مدارسِ دینیہ کے نظامِ تعلیم سے ہی گزری ہے۔ یا یہ حضرات عوام کے ہاں معتمد علماے دین شمار ہوتے ہیں؟ ہمارا خیال یہ ہے کہ غامدی صاحب نے، علماء کے نام سے جو تین، چار افراد سیاسی بنیادوں پر کونسل کے رکن بنائے گئے تھے، کو دھکے سے طبقہ علماء کے قائد و رہنما باور کراتے ہوئے علما پر نقد کے اس موقع کو غنیمت سمجھا تھا۔ حالانکہ ان دو چار علما میں سے کسی کی اگر کوئی اہمیت ہے بھی تو یہی کہ وہ صاحب اقتدار کی خوشامد و چاپلوسی کے ماہر ہیں۔ مولانا عبداللہ خلجی صاحب دامت برکاتہ کے بارے میں پرویز مشرف کی بلائی گئی ایک مجلس کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں بتایا گیا کہ اس مجلس کے دوران خوشامدی حضرات کا مقابلہ ہو رہا تھا جس میں جناب عبداللہ خلجی کافی نمایاں تھے، لیکن جب وہاں سے نکل کر سرکاری گاڑی میں بیٹھے تو پرویز مشرف کی برائیاں شروع کر دیں، اُنہیں جب یاد کرایا گیا کہ آپ وہی عبداللہ خلجی ہیں جو مجلس میں خوشامد کرنے میں سب سے پیش پیش تھے تو کہنے لگے کہ ہم یہاں اپنے کاموں کے لیے آتے ہیں، ہم کوئی مخلصانہ مشورہ دینے تو نہیں آتے۔ خوشامد ہماری ضرورت ہے۔

غامدی صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن وسنت جن مسائل میں خاموش ہیں، علما ان مسائل میں اجتہاد کرنے کے اہل ہی نہیں ہیں۔ ہم غامدی صاحب کی اس بات سے یک گونہ متفق ہیں، کیونکہ ثقہ علماء کے تصورِ اجتہاد کے مطابق قرآن وسنت کسی بھی مسئلے میں کبھی خاموش نہیں ہوتے، لہٰذا علما کو قرآن وسنت کو خاموش کرانے اور نئی شریعت وضع کرنے کے لیے

www.KitaboSunnat.com

غامدی صاحب جتنی عقل واہلیت کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

غامدی صاحب نے کچھ مسائل کا تذکرہ بھی کیا کہ ان مسائل کے بارے میں جدید ذہن کے شبہات وسوالات کا جوابات دینے سے علما قاصر ہیں۔اگر تو جواب سے مراد جدید ذہن کی خواہشِ نفس کے مطابق جواب ہے تو واقعتاً علما اس قابل نہیں ہیں کہ جدید ذہن کو ان کے شبہات کا جواب ان کے من چاہے تصورِ دین کی صورت میں دیں۔اور اگر جوابات سے مراد ان شبہات وسوالات کے بارے میں قرآن وسنت کی رہنمائی کو پیش کرنا ہے تو شاید غامدی صاحب کے تحقیقی ادارہ 'المورد' کی لائبریری میں اتنی کتابیں نہ ہوں گی، جتنے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح کے مقالہ جات کے علاوہ تحقیقی کتب ان سوالات کے جوابات میں عالم عرب میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم لکھی جا چکی ہیں۔

بہرحال غامدی صاحب نے رسالہ 'اجتہاد' کے بجائے اپنے رسالے 'اشراق' میں ایک جگہ اپنے تصورِ اجتہاد کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

''اجتہاد کا لغوی مفہوم کسی کام کو پوری سعی و جہد کے ساتھ انجام دینا ہے۔ اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ جس معاملے میں قرآن وسنت خاموش ہیں، اس میں نہایت غور وخوض کر کے دین کی منشا کو پانے کی جدوجہد کی جائے...اس اصطلاح کو اگر مذکورہ روایت کی روشنی میں سمجھا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اجتہاد سے مراد اپنی عقل وبصیرت سے ان اُمور کے بارے میں رائے قائم کرنا ہے جن میں قرآن وسنت خاموش ہیں یا اُنہوں نے کوئی متعین ضابطہ بیان نہیں کیا۔'' (ماہنامہ 'اشراق': جون ۲۰۰۱، ص ۲۷، ۲۸)

غامدی صاحب کو بس یہی فکر کھائے جاتی ہے کہ کسی طرح قرآن وسنت کو خاموش کروا دیں۔ بس جب ایک دفعہ ثابت ہو جائے گا کہ قرآن وسنت تو ان مسائل میں خاموش ہیں۔اب چاہے حکم شرعی معلوم کرنے کے لیے عقل عام (Common Sense) کے فلسفہ سے رہنمائی حاصل کرلیں یا نام نہاد فطرتِ انسانی کے نظریے کے تحت شریعت کا ڈھانچہ تشکیل دینا شروع کر دیں۔ غامدی صاحب اس لحاظ سے تمام دانشوروں میں عقل مند ثابت ہوئے ہیں کہ اُنہوں نے اس نکتے تک رسائی حاصل کر لی ہے کہ جب تک یہ فکر عام ہے کہ قرآن وسنت میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے، اس وقت تک ان جیسوں کے اجتہادی فکر کو قبولِ

www.KitaboSunnat.com

عام حاصل نہ ہوگا۔لہٰذا اُٹھتے بیٹھے یہ شور مچاؤ کہ قرآن وسنت جامع نہیں ہیں۔قرآن وسنت میں ہر مسئلے کا حل موجود نہیں اور دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات نہیں ہے۔

حاصل کلام: مشہور مقولہ 'الکفر ملة واحدة' کی طرح گمراہ فرقے اور افراد بھی یکساں بنیادوں کے حامل ہوتے ہیں۔ البتہ ان کی گمراہی گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کی کوشش ہوتی ہے۔غور فرمایئے کہ ہم نے مذکورہ بالا جن نام نہاد دانشوروں کا نظریۂ اجتہاد پیش کیا، ان سب کا مرکزی خیال غلام احمد پرویز کے مرکزِ ملت کا پرتو یا اس کے مختلف پہلو ہیں،جس کی رو سے شریعت محمدیہ قیامت تک تشکیل پانے والی نظائر میں سے ایک نظیر کی حیثیت بن جائے گی، گویا اجتہاد شریعتِ محمدیؐ میں اضافے یا تغیر وتبدل کا ہی دوسرا نام ہے۔ یعنی بعد رسالت تمام خلفا اور مسلمان حکمران جو اجتہاد کرتے یا کراتے رہے،ان کی حیثیت بھی اجتہاد رسالت کی طرح نظائر کی ہے۔لہٰذا راشد شاز صاحب نے ان نظائر کو تاریخی اسلام قرار دے کر نظریاتی اسلام اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔اگر مذکورہ بالا بقیہ نظریات کا مرکزی خیال متعین کرنے کی کوشش کی جائے تو ان سب کا حاصل غلام احمد پرویز والا شریعت کا دائمی تغیر وتبدل والا نظریہ تسلسل ہے۔دوسری طرف بعض متجد دین آخر الزمان نبی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی آمد کا مقصد یہ نظریہ قرار دینے میں کوشاں ہیں کہ انسانی عقل بلوغت حاصل کرنے کے بعد حجاز میں اتنی مکمل ہوگئی تھی کہ شریعت محمدیؐ کی تشکیل کی صورت میں سامنے آئی۔اب اس کے بعد اجتہاد کے نام پر سارا کام اسی بالغ عقل کا ہے،اس لیے اس بالغ عقل کا دروازہ کھلا رہنا چاہیے،حالانکہ یہ عقائد ملحدانہ ہیں۔عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے اس لیے وہ وحی ربانی کے تابع رہ کر تو مفید ہوسکتی ہے،لیکن شریعت کی تشکیل ناقص طور پر یا کامل طور پر کرنے لگے تو ترقی کی بجائے اتھاہ گہرائیوں میں گرانے والی ثابت ہوتی ہے۔

اسی لیے کسی گفتگو سے قبل یہ عقیدہ پختہ کرنے کی ضرورت ہے کہ شریعتِ محمدیہ کامل واکمل ہے۔محمد ﷺ کی طرف سے تکمیلِ رسالت کے بعد نظریۂ مرکزِ ملت یا نام نہاد بلوغتِ عقل کا نظریہ یا شریعت کی تکمیل اور اس میں اضافے کا نکتہ نظر ختم نبوت ورسالت کے عقیدہ کے منافی ہے۔اس موضوع پر مزید بحث ہم ان شاء اللہ 'محدث' کے قریبی شمارے میں کریں گے۔

www.KitaboSunnat.com

سیاست وخلافت

محمد زاہد صدیق مغل

موجودہ مسلم ریاستیں اور خلافتِ اسلامیہ

دنیا کے ۵۰ درجن کے لگ بھگ مسلم ممالک میں اس وقت کس نوعیت کا اجتماعی نظام مؤثر طور پر کارفرما ہے، اور یہاں کے 'مسلم' معاشرے کن اساسی تصورات کے تحت تشکیل پا رہے ہیں؟ یہ اس دور کے باشعور مسلمان کے لئے بنیادی اہمیت کا سوال ہے۔ اس بارے میں ایک واضح موقف اختیار کرنے کے بعد ہی معاشرتی اصلاح کے دینی فریضے سے عہدہ برا ہونے کے لئے موزوں لائحہ عمل تجویز اور اختیار کیا جاسکتا ہے۔ زیر نظر تحریر میں مغربی ریاست اور اسلامی اجتماعیت کے بعض فکری پہلوؤں کا تقابل کرتے ہوئے بعض اہم نکات کی نشاندہی کی ایک مخلصانہ کوشش کی گئی ہے۔ مزید تائید کے لئے اسی شمارہ میں مشہور برطانوی فلسفی برٹرینڈ رسل کے ایک مضمون کا اُردو ترجمہ بھی شاملِ اشاعت ہے۔

راقم بھی اس سلسلے میں کافی عرصے سے ایک رائے رکھتا ہے، جو زیر نظر فکری وفلسفیانہ تجزیہ کی بہ نسبت قدرے واقعاتی اور ظاہری ہے۔ زیر نظر مضمون کے بعد، آئندہ شمارہ میں اسی بحث کو ایک دوسرے زاویہ سے پیش کیا جائے گا، ان شاء اللہ (مدیر)

اس مضمون میں ہم خلافت اور موجودہ مسلم ریاستوں کے بنیادی فرق پر روشنی ڈالیں گے جس سے یہ واضح ہوجائے گا کہ اکثر و بیشتر مسلم ریاستیں خیر القرون کی خلافت تو کجا خلافتِ عثمانیہ ومغلیہ کے ہم پلہ بھی نہیں۔ درج ذیل تمام فرق بذاتِ خود تفصیل طلب موضوعات ہیں لیکن نفسِ مضمون کا لحاظ اور خوفِ طوالت کے سبب ہم اختصار کو ملحوظِ خاطر رکھیں گے۔

اوّل: قومی بمقابلہ اسلامی ریاست

خلافت اور موجودہ ریاستوں کا پہلا فرق یہ ہے کہ اب ہم نے قومی ریاستیں قائم کرلی ہیں، جبکہ پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ قوم کا مطلب ہے: ایک مخصوص جغرافیائی حدود کی بنا پر اپنا تشخص تلاش کرنا، جیسے پاکستانی، عراقی، ایرانی وغیرہ۔ یہ ویزے اور سفارتخانوں (embacies) کی بھرمار اسی قوم پرستانہ تصورِ تشخص کا نتیجہ ہے۔ قوم پرستی کی چند بنیادی صفات ہیں:

www.KitaboSunnat.com

① اس کی بنیاد نفرت ہوتی ہے یعنی قوم پرستی اپنی قوم کے علاوہ دوسروں کو اپنا حریف سمجھنے کا تقاضا کرتی ہے۔

② خیر وشر کو قومی پیمانوں پر طے کیا جاتا ہے، یعنی خیر اسی شے کو سمجھتا ہے جو ایک مخصوص جغرافیے میں رہنے والے افراد کے لئے بہتر ہو جیسا کہ موجودہ جہادِ افغانستان کے وقت ہماری حکومت نے 'سب سے پہلے پاکستان' کے نعرے میں کیا۔

③ قوم ہمیشہ اپنے لئے جیتی ہے، اس کا مطمع نظر مادی ترقی اور حصولِ طاقت کے ذریعے صرف ایک مخصوص علاقے کے لوگوں کا معیارِ زندگی بلند کرنا ہوتا ہے، اسی معنی میں قومی ریاست سرمایہ دارانہ ریاست ہوتی ہے جس کا مقصد افراد کی آزادی یعنی سرمائے میں لامتناہی اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ قوم پرستی سرمایہ داری کی مختلف تعبیرات میں سے ایک تعبیر ہی ہے۔

④ قوم کے پاس مادی ترقی وخوش حالی کے علاوہ نوعِ انسانی کی فلاح و ہدایت کا کوئی دوسرا لائحۂ عمل نہیں ہوتا۔ سرمائے کی بڑھوتری ہی وہ واحد خیر ہے جسے قوم خود بھی اپناتی ہے اور دوسروں کو بھی اس کی طرف دعوت دیتی ہے۔

⑤ قومیت کبھی جغرافیائی حدود پار نہیں کرسکتی یعنی قوم پرستانہ نظریے کے لئے کسی دوسرے علاقے کے رہنے والے لوگوں کو اپنی شناخت میں سمو لینے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

⑥ اسی لئے قومی ریاست ہمیشہ ایک استعماری ریاست ہوتی ہے جس کا مقصد دوسروں کو مغلوب کرنا ہوتا ہے یعنی ایک قوم پرست شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی قوم باقی سب قوموں پر غالب آجائے اور اُنہیں محکوم بنا کر رکھے، لہٰذا ہر وہ کام 'خیر' کہلاتا ہے جو قوم کے غلبے کا باعث بنے۔

قومیت کا یہ تشخص اور اس کا استحکام و پھیلاؤ اُمت کے اس بنیادی تصور ہی کے خلاف ہے جہاں جغرافیائی حدود بے معنی ہیں اور جس کے مطابق اسے اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کیلئے جینا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آلِ عمران: ۱۱۰)
''تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

یعنی اُمتِ مسلمہ کا مقصد بنی نوعِ آدم کی اصلاح ہے۔ اس تصورِ ملت میں صرف دو ہی گروہ ہیں، ایک امتِ اجابت اور دوسری اُمتِ دعوت، گویا یہاں اُمتِ مسلمہ کا تعلق ملتِ کفر کے ساتھ نفرت کے اُصول پر نہیں بلکہ دعوت و اصلاح کے اُصول پر استوار ہے اور اگر کسی وجہ سے ملتِ کفر کے ساتھ لڑائی و دشمنی کا معاملہ ہے بھی تو اس لئے نہیں کہ دنیا کے مال و متاع پر قبضہ کرنے کے نتیجے میں وہ ہم سے آگے نکل گئے ہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ وہ حق کی اس دعوت کے پھیلاؤ میں مزاحمت اور دنیا میں فتنہ کا باعث بن رہے ہیں جو انسانوں کے خالق نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے۔

تصورِ قومیت اور اُمت کبھی ایک ساتھ پنپ نہیں سکتے، کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، اوّل الذکر کی بنیاد نفرت جبکہ مؤخر الذکر کی محبت پر ہے۔ اسلامی ریاست استعماری نہیں بلکہ جہادی ہوتی ہے جہاں ریاست کی توسیع کا مقصد دوسروں کو محکوم بنانا نہیں بلکہ دعوت و تبلیغ اسلام کے مواقع پیدا کر کے دوسروں کو اُمتِ مسلمہ میں شریک کرنا ہوتا ہے اور اس تسخیر قلوب کے مقصد کے لئے طاقت سے بڑھ کر کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلامی خلافتیں ہمیشہ جہادی رہی ہیں یہاں تک کہ خلافتِ عثمانیہ و مغلیہ بھی جہادی ریاستیں ہی تھیں جن میں پھیلاؤ آتا رہا، مثلاً خلافتِ عثمانیہ عثمان خاں کے دور ۱۲۸۸ء میں صرف ساڑھے سات ہزار مربع میل سے شروع ہو کر محمد فاتح کے دور ۱۴۸۱ء تک ایک لاکھ مربع میل سے بھی زیادہ ہوگئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ آخر دور میں ہم نے ریاست کی توسیع کو اسلام میں اصلاح فرد اور تعمیر معاشرت کے کام سے کاٹ دیا تھا اور یہی ہمارے زوال کی اصل وجہ تھی، کیونکہ اس کی وجہ سے دائرۂ اسلام میں شامل ہونے والے غیر مسلمین کی تعداد کم سے کم تر ہوتی چلی گئی جس سے اسلامی شخصیت و معاشرت غیر مانوس ہوگئے اور نتیجتاً ہماری ریاست افراد کو اجنبی اور جبر لگنے لگی جس کے زوال پر وہ خوشی محسوس کرتے۔

دوم: نمائندگی عوام بمقابلہ نیابتِ رسول ﷺ

موجودہ جمہوری ریاستوں میں عوام کو رعایا کے بجائے citizens یعنی اصل حاکم (autonomous) مانا جاتا ہے اور ریاست و حکومت محض عوام کی سوچ اور خواہشات کو پورا

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے لئے عوام کی نمائندگی کا نام ہے۔ یعنی حکومت چلانے والے افراد عوامی نمائندے (representatives) ہوتے ہیں جن کا مقصد حصولِ لذت کی ذہنیت کا عموم اور عوام کی خواہشات کی تسکین کے لئے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرنا ہوتا ہے۔ یہی عوامی نمائندگی جمہوریت کی حقیقت ہے جہاں مفادات ہی وہ پیمانہ ہیں جس پر ریاست و جمہور کے تعلق کو پرکھا جاتا ہے۔ حاکم ومحکوم کے درمیان یہی رشتہ ہے، قیادت اور عوام کے مابین یہی میثاقِ وفا ہے۔ جو اسے پورا کرے، اس کی حمایت کی جاتی ہے اور جو عوام کی جھولی کو مراعات وسہولیات سے نہ بھر سکے، اس کا عمل قابل اتباع نہیں ہوتا۔

سارا جمہوری فلسفہ، اس چھتری کے تحت قائم ادارے اور این جی اوز وغیرہ اسی عقیدے کے فروغ کا وسیلہ ہیں۔ جمہوریت کا معنی ہی یہ ہے کہ فیصلے عوام کی مرضی اور خواہشات کی بنا پر ہونے چاہئیں، گویا اس کا مطلب خیر وشر کا منبع انسانی خواہشات کو مان لینا ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی ریاست میں عوام رعایا (subject) ہوتے ہیں اور خلیفہ عوام الناس کا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا سیاسی نائب ہوتا ہے جس کی ذمہ داری عوام الناس کی خواہشات کو شریعت کے تابع کرنے کی ذہنیت عام کرنا ہوتا ہے، نہ یہ کہ خود عوام کی خواہشات کے پیچھے چلنا۔ اِسی معنی میں جو ریاست جتنی زیادہ جمہوری ہوتی ہے، اتنی ہی غیر اسلامی ہوتی ہے۔ گویا جمہوریت میں پیری مریدی کا تعلق ہی اُلٹ جاتا ہے، یہاں عوام بجائے مرید کے پیر (فیصلہ کرنے اور ہدایت دینے والے) بن جاتے ہیں اور حاکم جس کا کام لوگوں کی رشد وہدایت کا انتظام کرنا ہوتا ہے، اس معنی میں مرید بن جاتا ہے کہ ہر کام سے پہلے عوام الناس کی خواہشات کی طرف دیکھتا ہے۔

لوگوں نے ووٹ کو بیعت کا متبادل سمجھ لیا ہے حالانکہ ووٹ تو بیعت کی عین ضد ہے۔ بیعت کا مطلب حصولِ ہدایت کے لئے عوام کا اپنے نفس کو کسی بلند تر ہستی کے سپرد کردینا ہے جبکہ ووٹ کا معنی عوام کی حکمرانی قبول کرکے حاکم کا خود کو ان کے نفس کے سپرد کردینا ہے۔

علم اسلامی میں خیر وشر کی تعیین میں عوام کی خواہشات اور اس کی کثرت کی کوئی شرعی حیثیت ہے ہی نہیں بلکہ خلافت میں فیصلے اس بنیاد پر ہوتے ہیں کہ کسی معاملے میں شارع کی منشا و رضا حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے اور ظاہر ہے، یہ طے کرنے والے علماء ہی ہوتے ہیں

www.KitaboSunnat.com

جو درحقیقت قرآن وسنت کا علم رکھتے ہیں۔ چنانچہ نمائندگی عوام کا تصور نہ تو کبھی کسی اسلامی ریاست بشمول خلافتِ راشدہ میں ہی ملتا ہے اور نہ ہی اسلامی تعلیمات میں اس کا کوئی ذکر ہے۔ دوسرے لفظوں میں عوام الناس کی حاکمیت اور نمائندگی کے تصورات بدعاتِ سیئہ ہیں۔

سوم: سوشل سائنسز بمقابلہ علومِ شرعیہ کی بالادستی

اسلامی ریاست کے قیام کا خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا جب تک اسلامی علوم (یعنی علم کتاب وسنت، فقہ اور زہد وتقویٰ) کا معاشرتی غلبہ قائم نہ ہو جائے، کیونکہ نظامِ علم ہی ریاستی حکمتِ عملی اور اسے نافذ کرنے والے افراد مہیا کرتا ہے۔ ہر نظامِ علمیت معاشرے میں تین بنیادی مقاصد انجام دیتا ہے:

① غالب علمی و ثقافتی ورثے کو اس طرح اگلی نسل تک منتقل کرنا کہ اسے حاصل کئے بغیر معاشرے میں کامیاب زندگی کا تصور ناممکن ہو جائے۔

② افراد کو چند مخصوص مقاصدِ زندگی اور معاشرتی اقدار بطور مقصدِ حیات قبول کرنے پر تیار کرکے معاشرے میں فکری ہم آہنگی پیدا کرنا۔

③ اَفراد کے تعلقات کے نتیجے میں قائم شدہ معاشرے اور ریاست کو پیش آمدہ مسائل حل کرنے کے لئے حکمتِ عملی اور اسے عملی جامہ پہنانے کیلئے اس علمیت کے حامل باصلاحیت افراد فراہم کرنا۔ چنانچہ کوئی معاشرہ و ریاست تبھی اسلامی بن سکتی ہے کہ جب اس کی غالب علمیت سائنس (بشمول نیچرل وسوشل سائنسز) نہیں بلکہ اسلامی علمیت ہو، کیونکہ جب تک اسلامی علمیت غالب نہیں ہوگی، معاشرتی فیصلوں اور ریاستی حکمتِ عملی کی اسلامی بنیاد فراہم نہیں کی جاسکتی۔ اسلامی علمیت درحقیقت کتاب وسنت، عقیدہ، فقہ اور زہد وتقویٰ کی صورت میں متشکل ہوکر سامنے آتی ہے۔ مثلاً فقہ اسلامی کا مقصد قرآن وسنت میں وارد شدہ نصوص سے وہ مسائل اخذ کرنا ہے جن کی روشنی میں یہ طے کیا جا سکے کہ اَن گنت انسانی اعمال وافعال سے رضائے الٰہی کے حصول کا درست طریقہ کیا ہے۔ نیز یہ معلوم کیا جا سکے کہ افراد کے تعلقات کو کن ضروری بندشوں کا پابند بنا کر معاشرے کو احکاماتِ الٰہی کے تابع کیا جاسکتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

بالکل اسی طرح مغربی سوشل سائنسز کا دائرۂ کار سرمایہ دارانہ معاشرے و ریاست کا جواز، اس کے امکانِ قیام کے لئے ضروری حالات کی نشاندہی و ریاستی لائحۂ عمل کی ترتیب و تنظیم کرنا ہے۔ جدید سوشل سائنسز کا مقصد ایک طرف سرمایہ دارانہ شخصیت، معاشرے و ریاست کی علمی توجیہ پیش کرنا ہے اور دوسری طرف یہ افراد کے تعلقات میں آزادی کی ان لازمی حدود کا تعین کرنے کے اُصول وضع کرتی ہیں جن کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ معاشرتی و ریاستی صف بندی وجود میں آسکے۔ دوسرے لفظوں میں سوشل سائنسز کا دائرہ عمل ایک ایسے نئے دستور، نئے قانون اور نئے معاشرتی نظام و سیاسی ڈھانچے کا قیام ہے جسے الہامی اور آسمانی قانون سے کوئی واسطہ یا رابطہ نہ ہو، جہاں کوئی رعایا (subjects) نہ ہو بلکہ سب شہری (citizens) ہوں۔ اس پس منظر میں اسلامی تاریخ اور موجودہ ریاستوں پر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ہماری پوری تاریخ میں جو علمیت غالب رہی، وہ اسلامی علمیت تھی جس کا ایک مظہر موجودہ درسِ نظامی ہے جو درحقیقت سلطنتِ مغلیہ میں ایک طرح کا 'سول سرونٹ کورس' تھا۔

چنانچہ ہماری تاریخ میں اسلامی علمیت ہی کی بنیاد پر ریاستی حکمتِ عملی وضع کی جاتی تھی، گوکہ اس حکمتِ عملی میں حکمران اپنے بعض ذاتی مفادات کو بھی شامل کردیتے تھے۔ اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے جیسے دورِ حاضر میں ریاستی حکمتِ عملی سوشل سائنسز بالخصوص علم معاشیات کے اُصولوں سے طے کی جاتی ہے اور حکمران طبقہ اسی حکمتِ عملی کے اندر رہتے ہوئے ساتھ ساتھ اپنے مفادات کا تحفظ بھی کرتا ہے۔

سب دیکھ سکتے ہیں کہ جوں جوں سائنسی علمیت (مادہ پرستانہ اِفادیت) کو عروج حاصل ہوتا ہے، اسی رفتار سے اسلامی علمیت معاشروں میں بے معنی ہوتی چلی جاتی ہے۔ سائنسی علم کا معنی لامحدود انسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے کائنات پر ارادۂ انسانی کا تسلط قائم کرنا ہے۔ سائنسی علمیت کے مطابق 'علم' رضاے الٰہی کے حصول کا طریقہ جان لینا نہیں، بلکہ تسخیر کائنات یا بہ الفاظ دیگر انسانی ارادے کے کائناتی قوتوں پر تسلط قائم کرنے کا طریقہ جان لینے کا نام ہے اور سائنسی علمیت اس جاہلانہ ذہنیت و جنون کو پروان چڑھاتی ہے کہ انسانی عقل کو استعمال کر کے فطرت کے تمام رازوں سے پردہ اٹھانا نیز انسانی ارادے کو خود اس کے اپنے سوا ہر بالاتر قوت سے آزاد کرنا عین ممکن ہے۔

www.KitaboSunnat.com

دوسرے لفظوں میں سائنسی علمیت کا مقصد انسان کو خود اپنا خدا بننے کا مکلّف بنانا ہے۔ یہ تصورِ علم ایک ایسی شخصیت کا علمی جواز فراہم کرتا ہے جو انبیاے کرام کی تعلیمات سے کوسوں دور اور اخلاقِ رزیلہ سے متصف ہونے کے باوجود بھی معاشرے میں ایک باعزت علمی مقام پر فائز ہوسکتی ہے۔ یہ علمیت ایسا ریاستی لائحہ عمل فراہم کرتی ہے جس میں فیصلوں کی بنیاد شارع کی رضا کے بجائے لوگوں کی خواہشات ہوتی ہے۔ چونکہ موجودہ مسلم ریاستوں میں غالب علمیت یہی جاہلی علمیت ہے لہٰذا یہ کسی بھی معنی میں اسلامی خلافت کے ہم پلہ نہیں ہیں بلکہ جیسے جیسے ہمارے ممالک اس علمیت کے شکنجے میں پھنستے جارہے ہیں، اتنا ہی زیادہ یہ استعمار کے وفادار اور طاغوتی نظام کے حامی و ناصر بنتے جارہے ہیں۔

چہارم: دستور (ہیومن رائٹس) بمقابلہ شریعت (نظامِ عدل وقضا) کی بالادستی

ہمارے ملکوں کا نظام قانون آئین یا دستور پر مبنی ہے اور دستور وہ شے ہے جو حاکمیتِ الٰہی کی نفی اور حاکمیتِ انسان کی بالادستی قائم کرتا ہے اور نفاذِ شریعت کے امکانات کالعدم کردیتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دستور کتابِ الٰہی کا متبادل ہے اور جمہوری ریاستوں میں اسے ویسی ہی تقدیس حاصل ہوتی ہے جیسی مذہبی ریاستوں میں کتابِ الٰہی کو۔ دستور میں قانون سازی کی بنیاد ہیومن رائٹس ہوتے ہیں جسکے مطابق فرد کو اپنی آزادی استعمال کرکے خواہشات کی تسکین کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ اس قانون سازی کے دو بڑے مقاصد ہوتے ہیں:

الف) ہر فرد کے اس حق کو ممکن بنانا کہ وہ زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل کرسکے (یعنی جو چاہنا چاہے، چاہ سکے اور اسے حاصل کرنے کا زیادہ سے زیادہ مکلّف ہوسکے) یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے کی عین ویسی ہی آزادی میں رکاوٹ نہ بنے۔ یعنی اس بات کو طے کرنے کے لئے کہ افراد کو کیا کرنے کی اجازت ہوگی، اس سوال کا جواب دینا چاہئے کہ کیا تمام افراد کو اس عمل کی اجازت دینے کے بعد بھی اس عمل کو کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ مثلاً فرض کریں: ایک شخص چاہتا ہے کہ وہ شراب پیئے، اب سوال یہ ہے کہ اگر تمام افراد ایسا کریں تو کیا ایسا کرنا ممکن ہے؟ چونکہ تمام افراد کو اس فعل کی اجازت دینے سے افراد کی خواہشات میں کوئی تصادم لازم نہیں آتا، لہٰذا شراب پینا بالکل درست عمل ہے۔ لیکن اگر

www.KitaboSunnat.com

کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ شراب پی کر کار چلائے تو یہ ٹھیک نہیں، کیونکہ اگر تمام افراد کو ایسا کرنے کی اجازت دی جائے تو کوئی بھی شخص گاڑی نہیں چلا سکتا جس سے واضح ہوا کہ شراب پینا تو ٹھیک عمل ہے مگر شراب پی کر گاڑی چلانا غلط ہے۔ اس جاہلانہ اُصول کے مطابق ایک بھائی کا اپنی بہن سے، باپ کا بیٹی سے اور بیٹے کا ماں سے بدکاری کرنا عین درست عمل ہے، کیونکہ اگر تمام افراد ایسا کرنے لگیں تو بھی ایسا کرنے میں افراد کی خواہشات میں ٹکراؤ کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ اَخلاقیات کے اسی اصول کو کانٹ (Kant) کا آفاقی اُصول (Principle of universalisability) کہا جاتا ہے۔ اس اصول کے مطابق ایک فرد کا ہر وہ فعل اور خواہش قانوناً جائز ہے جسے وہ خواہشات میں ٹکراؤ آئے بغیر تمام انسانوں کو کرنے کی اجازت دینے پر تیار ہوسکتا ہے۔

ب) ہر فرد کے اس مساوی حق کو ممکن بنانا کہ وہ دوسروں کو اپنی آزادی اس طرح استعمال کرنے پر مجبور کرسکے جس سے وہ دوسرا شخص اس فرد کی آزادی میں مداخلت نہ کرسکے یعنی اگر ایک باپ اپنی بیٹی کو یونیورسٹی کے کسی رات کے فنکشن میں جانے سے منع کرے تو اس بیٹی کو اس بات کا حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ پولیس کو بلوا کر اپنے باپ کو جیل بھجوا دے اور خود یونیورسٹی جا سکے۔ اسی طرح اگر ایک باپ اپنی اولاد کو نماز نہ ادا کرنے پر سرزنش کرے تو اولاد کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ باپ کو ان کی آزادی میں مداخلت کرنے سے روک سکیں۔

دستور کے مطابق افراد کی خواہشات ہی وہ اساس ہیں جو ایک جمہوری معاشرے میں قانون سازی کی واحد بنیاد بن سکتی ہیں، نیز یہ کہ افراد اپنے اس حق کو اس طرح استعمال کریں کہ جس کے نتیجے میں افراد کی خواہشات میں اس طرح تحدید ہو کہ افراد کی آزادی میں بحیثیت مجموعی زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوسکے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری اکثر و بیشتر ریاستیں ہیومن رائٹس پر مبنی دستوری و جمہوری ریاستیں ہیں جس کا صاف مطلب ہوا کہ یہ لبرل سیکولر ریاستیں ہیں۔ اس کے برخلاف خلافت کا منصب نظامِ قضا کا تقاضا کرتا ہے جہاں فیصلے شرع کی روشنی میں طے کئے جاتے ہوں۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ پوری اسلامی تاریخ میں ریاستی قانون کی بنیاد

www.KitaboSunnat.com

شریعت رہی ہے جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ہماری عدالتوں میں شرعی نظام قضا قائم تھا جہاں اسلامی علمیت کے ماہر افراد شریعت کی روشنی میں فیصلے کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ مغلیہ سلطان عالمگیر نے کوئی دستور نہیں بلکہ فقہاے کرام کے فتاویٰ کو جمع کر کے اسے اپنی سلطنت کا قانون بنادیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ افراد کے معاملات اس دور کے مسلمان حکمران کی دانست میں شرعی احکامات کے مطابق طے ہوتے تھے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کسی خاص فقہ کی تعلیمات کے مطابق ہوں۔ اسی طرح ہمارے ہاں حسبہ کا ادارہ بھی قائم تھا جس کا مقصد نہی عن المنکر کی بنیاد پر لوگوں سے اطاعت کرانا تھا۔ الغرض حاکمیتِ دستور اور نفاذِ شریعت و اعلاے کلمۃ اللہ دو متضاد مقاصد ہیں، نظامِ قضا و حسبہ اسی وقت قائم ہوسکتا ہے جب اسلامی علمیت اور اس کے حاملین افراد کا معاشرتی غلبہ ہو نہ کہ دستور اور سوشل سائنسز کا۔

پنجم: مذہبی معاشرت بمقابلہ سول سوسائٹی

معاشرے سے مراد وہ ادارے ہیں جو افراد کے ان تعلقات سے وجود میں آتے ہیں جنہیں وہ برضا و رغبت اختیار کرتے ہیں۔ کسی بھی معاشرتی صف بندی کی نوعیت افراد کے ان مقاصد اور ان اقدار پر مبنی ہوتی ہے جن کے حصول کی خاطر وہ آپس میں تعلقات قائم کرتے ہیں۔ یعنی معاشرتی تنظیم کی ہیئت اور نوعیت اس بات پر منحصر ہے کہ جو افراد یہ معاشرہ بنا رہے ہیں ان کے میلانات، رجحانات اور خواہشات کیا ہیں اور وہ دوسروں سے تعلقات استوار کر کے کن مقاصد کا حصول چاہتے ہیں۔ چونکہ سرمایہ دارانہ معاشرے میں ہر فرد اپنی خواہشات کی تکمیل کرنا چاہتا ہے، لہٰذا لوگ جس بنیاد پر اپنے تعلقات قائم کرتے ہیں وہ ان کی 'ذاتی غرض' (Self-interest) ہوتی ہے یعنی ہر فرد ان تعلقات و روابط کے ذریعے اپنی کسی ذاتی خواہش ہی کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ ایسے تعلقات سے تعمیر ہونے والے معاشرے کو مارکیٹ یا سول سوسائٹی کہتے ہیں جہاں ہر تعلق اغراض کی طلب و رسد (Demand & Supply) کے اُصول پر قائم ہوتا ہے۔ ایسی سوسائٹی میں ہر شخص اپنی اغراض کی بنیاد پر interest-groups (غرضی گروہ) بناتا ہے، مثلاً محلّہ و مارکیٹ کمیٹیاں، مزدور تنظیمیں، اساتذہ وطلبہ تنظیمیں، صارفین و تاجروں کی یونین، عورتوں اور بچوں کے حقوق کی تنظیمیں و دیگر

www.KitaboSunnat.com

این جی اوز وغیرہ۔ اس کے اظہار کے مختلف طریقے ہیں جہاں تعلقات کی بنیاد صلہ رحمی یا محبت نہیں بلکہ اغراض ہوتی ہیں۔ جتنے زیادہ افراد ان اداروں پر منحصر ہوتے چلے جاتے ہیں، سول سوسائٹی اتنی ہی مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے۔ نتیجتاً ذاتی اغراض وحقوق کی ذہنیت و سیاست پختہ ہوتی چلی جاتی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کا اصل مقصد ہے۔

سول سوسائٹی کی اکائیاں تبھی وجود میں آتی ہیں جب خاندان کا ادارہ کمزور ہوجاتا ہے، یہ اکائیاں فرد کی زندگی کے اس خلا کو پر کرنے کے لئے وجود میں آتی ہیں جو روایتی اداروں کے ختم ہوجانے سے پیدا ہوتا ہے۔ سول سوسائٹی درحقیقت مذہبی معاشرت کی ضد ہے، جہاں تعلقات کی بنیاد صلہ رحمی، محبت اور باہمی تعاون کا جذبہ ہوتا ہے اور ان جذبات پر مبنی تعلقات سے جو فطری ادارہ تشکیل پاتا ہے، اسے خاندان و برادری کہتے ہیں جو اسلامی معاشرت کا جز اوّل ہے۔ پوری اسلامی تاریخ میں ہماری معاشرت اسلامی تھی، تعلقات کی بنیاد صلہ رحمی تھی جس کی وجہ سے خاندان مضبوط تھے، حرص وحسد کو معاشرتی عموم حاصل نہ تھا۔ مخلوط معاشرت کی وبا ظاہر نہ ہوئی تھی اور تقریباً تمام افراد تزکیۂ نفس کے لئے بھی عبادات اور شریعت کی دیگر رہنمائی پر عمل کرتے تھے۔ موجودہ مسلم ریاستوں میں جو معاشرت عام ہورہی ہے وہ اسلامی نہیں بلکہ سول سوسائٹی ہے جس کا سب سے بڑا اظہار خاندان و برادری کی کمزوری، بے حیائی و فحاشی کے فروغ اور افراد کا تربیت گاہوں سے لاتعلق ہوجانے کی صورت میں واضح ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہماری حکومتیں جس نوعیت کی حکمتِ عملی پر عمل پیرا ہیں، وہ سول سوسائٹی کو مضبوط اور مذہبی معاشرت کو کمزور کرنے کے لئے مؤثر ترین ہتھیار ہے۔

بعض شبہات

شبہ نمبر۱: مسلم ممالک میں نماز، جمعہ، نکاح، حج و دیگر فرائض ادا کرنے کی پوری آزادی ہے تو پھر ان پر 'کافرانہ یا فاسقانہ ریاست' کا لیبل کیوں چسپاں کیا جائے؟

یہ جتنے اُمور گنوائے گئے ہیں، ان سب کی ادائیگی کی اجازت تو دورِ برطانیہ میں بھی تھی، نیز موجودہ ہندوستان کے مسلمان بھی اُنہیں آزادی کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اور تو اور یورپ اور امریکہ وغیرہ میں بھی نماز، جمعہ، نکاح، حج و دیگر کئی فرائض اسلامی ادا کرنے کی پوری آزادی ہے تو کیا یہ سب ملک دارالاسلام ٹھہریں گے؟

www.KitaboSunnat.com

مزید برآں جیسے ایک فرد کا ایمان معتبر ہونے کے لئے چند شرائط ہیں بالکل اسی طرح ریاست بھی اسلامی تب ہی ہوتی ہے جب وہ اسلامی اصولوں کے مطابق قائم ہو، گو کہ اس میں عملی خامیاں قبول کی جاسکتی ہیں مگر اُصولی باتوں پر ایمان لانا تو شرط ہے۔ اکثر و بیشتر موجودہ مسلم حکومتیں تو سرمایہ دارانہ نظام پر مبنی ہیں جہاں اقتدار کا منبع عوام کی خواہشات کو مان لیا گیا ہے۔ شرع کے بجائے ہیومن رائٹس پر مبنی دستور نافذ ہے تو یہ اسلامی کیسے ہوگئیں؟ مسئلہ یہ ہے کہ ہم سرمایہ داری کو صحیح طریقے سے پہچانتے نہیں جس کی وجہ سے ایسے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر مسلمان عیسائی قانون کے مطابق ریاست چلائیں تو کیا وہ اسلامی ریاست ہوگی؟ بالکل اسی طرح اگر مسلمان سرمایہ دارانہ قانون کے مطابق ریاست چلائیں گے تو وہ ریاست اسلامی نہیں ہوگی، کیونکہ سرمایہ داری بھی عیسائیت ہی کی طرح ایک مستقل کافرانہ مذہب ہے۔

شبہ نمبر۲: کیا پاکستان کے آئین میں قرآن وسنت کے منافی قانون سازی نہ کرسکنے کا آرٹیکل اسے اسلامی ریاست نہیں بنا دیتا؟

① ۱۹۴۹ کی قرارداد مقاصد ہو یا ۱۹۷۳ کا دستور، علماء اس میں ایسے ہی دھوکہ کھا گئے جیسے سترہویں ترمیم کے وقت مشرف سے دھوکہ کھا گئے تھے۔ علماء پر دستوری ریاست و ہیومن رائٹس کی حقیقت صحیح طریقے سے واضح نہ ہوسکی تھی جس کی بنا پر اُنہوں نے دستور میں مذہب کی پیوندکاری کرنے کی کوششیں کیں، حالانکہ جس شے کو اُصولاً رد کرنا چاہئے تھا، وہ بذاتِ خود ہیومن رائٹس پر مبنی دستوری قانون ہے جو کہ کتاب وسنت کا عملی متبادل ہے۔ ہیومن رائٹس پر مبنی دستور میں مذہبی پیوندکاری کی مثال ایسی ہی ہے جیسے عقیدۂ تثلیث میں توحید تلاش کرنا۔ ہوسکتا ہے، علما نے ۱۹۴۹ء میں یہ پوزیشن سوشلزم کے بڑھتے ہوئے خطرات کی بنا پر اختیار کی ہو، واللہ اعلم۔ لیکن اصل غلطی ۱۹۴۹ میں نہیں بلکہ ۱۹۲۰ء سے شروع ہوئی کہ جب خلافت ِاسلامی برپا کرنے کے لئے انقلابی جدوجہد سے مایوس ہوکر بعض علما نے ریاست کو غیر اقتداری سمجھ کر تحریکِ خلافت کے بجائے تحریکِ استخلاصِ وطن کا ساتھ دینا شروع کیا۔

② قرار داد مقاصد ہو یا ۱۹۷۳ کا دستور، یہ شقیں تو ریاست کو کافرانہ نظام کے ماتحت چلانے کا بہانہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شقیں ہمیشہ طاقِ نسیاں پر پڑی رہتی ہیں اور ہمارے ملک میں بے شمار قوانین خلافِ شرع ہونے کے باوجود پچھلے ۳۴ سالوں سے عدلیہ ٹس سے مس

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوتی، بلکہ اس کے بجائے جب کبھی کوئی اسلامی قانون نافذ کرنے کا معاملہ پیش آئے تو اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتی ہے جیسا کہ سود کے خلاف قانون اور حسبہ بل کے معاملات میں دیکھا گیا۔

③ ان اسلامی نما شقوں کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ اُنہیں خود 'ہم نے' دستور میں رکھا ہے اور اگر 'ہم' چاہیں تو اُنہیں ختم بھی کر سکتے ہیں گویا اصل حاکمیت 'ہماری' ہی ہے۔ پھر ان شقوں پر مبنی شرعی قوانین کی نوعیت کسی بالادست قانون کی نہیں بلکہ وفاقی شرعی عدالت کے ایک 'مشورے' کی ہوتی ہے جنہیں عدالتِ عظمیٰ چاہے تو ردّ کرسکتی ہے، گویا اصل حاکمیت تو دستوری قانون ہی کی ہوگی اور شارع کی بات بس ایک مشورے کے طور پر کہی اور سنی جاسکتی ہے۔العیاذ باللہ

④ اسلامی ریاست صرف قرآن وسنت کے خلاف فیصلہ 'نہ' کرنے کی پابند نہیں ہوتی بلکہ ہر فیصلہ قرآن وسنت اور اسلامی علمیت کی روشنی میں کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ گویا مسلمانوں پر شریعت اسلامیہ کی پابندی صرف سلبی نہیں بلکہ ایجابی بھی ہے۔ شرع کے دائرے کو تشکیل قانون میں صرف اس حد تک محدود کرنا کہ قانون کا کوئی فیصلہ شرع کے خلاف نہ ہو، اس مفروضے پر مبنی ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی دائرہ عمل ایسا بھی ہے جہاں شارع نے انسان کو اپنی خواہشات پر چلنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا ہے نیز قانون کا دائرہ شرع کے دائرے سے وسیع تر ہے۔ جبکہ اصل معاملہ اس کے عین برعکس ہے کہ شریعت ہمیں ہر معاملے کا حکم قرآن وسنت کی روشنی میں طے کرنے کا طریقہ بتاتی ہے اور اسلامی ریاست کا یہ وظیفہ ہوتا ہے کہ وہ براہ راست کتاب وسنت یا قابل اجتہاد مسائل میں اہل علم کی شرعی رہنمائی سے تمام معاملات میں شرعی موقف اپنائے۔ شرع محض فرائض، واجبات اور محرمات کا ہی نام نہیں بلکہ اس کا دائرہ سنن، مندوب، مستحب، مکروہ، اساءت وخلافِ اولیٰ کے درجات تک اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ پیدائش سے لے کر موت تک کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ انسانی فعل بھی اس کی گرفت سے باہر نہیں۔ لہٰذا طے کرنے کی بات یہ نہیں کہ کوئی فیصلہ شرع کے خلاف نہ ہو بلکہ یہ ہے کہ ہر فیصلہ شرع کے تقاضوں کے مطابق ہو، کیونکہ اوّل الذکر رویہ شرع کو فرائض اور محرمات تک محدود کردیتا ہے۔

اطلاع: زیرنظر شمارہ جنوری اور فروری ۲۰۰۹ء کا مشترکہ ہے، قارئین نوٹ فرمالیں۔ شکریہ

www.KitaboSunnat.com

تعلیم وتعلّم

برٹرینڈ رسل
مترجم: جی آر عزیز

تعلیم میں حبِ وطن کا مقام

برٹرینڈ رسل برطانیہ کا عظیم مفکر اور فلسفی گزرا ہے، اس کے زیرنظر مضمون میں مشہور فلسفہ 'حبِ وطن' کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے جو جہاں حقیقت شناسی کی عمدہ مثال ہے، وہاں مغربی اقوام کے مذموم ریاستی مقاصد پر بھی اچھے انداز میں روشنی ڈالتا ہے۔ جدید ریاست ابھی تک حبِ وطن کی یہی تعلیم دینے پر مصر ہے، جس سے انسانیت میں سرزمین وطن سے محبت کے نام پر نفرت کے بیج بوئے جارہے ہیں۔ ح م

ہر آدمی بہت سے مقاصد اور خواہشات رکھتا ہے جن میں سے بعض تو خالص ذاتی ہوتی ہیں اور بعض ایسی جن کے بارے میں وہ دوسرے بہت سے لوگوں سے اشتراک کرسکتا ہے؛ مثلاً بہت سے لوگ روپیہ چاہتے ہیں اور دولت کمانے کے اکثر طریقے کسی نہ کسی گروہ کا تعاون چاہتے ہیں اور متعلقہ گروہ کا انحصار امیر ہونے کے مخصوص طریقے پر ہوگا۔ ایک ہی صنعت کے دو مختلف کارخانے اکثر معاملات میں ایک دوسرے کے رقیب ہوتے ہیں لیکن سیکورٹی ٹیکسوں کے بارے میں وہ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔

بلا شبہ روپیہ ہی ایک ایسی چیز نہیں جس کی خاطر لوگ سیاسی قسم کے گروہوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں؛ مثلاً وہ مختلف مذہبی فرقوں، برادریوں، علمی سوسائٹیوں اور فری میسن گروہوں اور نہ معلوم کن کن جماعتوں میں بٹ جاتے ہیں۔ انسانوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرنے والے محرکات متعدد ہیں، مثلاً مقاصد کی ہم آہنگی ان میں سے ایک ہے، خیالات کی یکسانی دوسرا اور خونی رشتے تیسرا۔ راسچائلڈ (Rothachild) خاندان کے لوگوں نے خونی رشتے کی وجہ سے ایک دوسرے سے تعاون کیا۔ اُنہیں اس ہیئتِ اجتماعی کے لیے رسمی قوانین کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ ایک دوسرے پر اعتبار کرسکتے تھے۔ ان کی کامیابی کی ایک وجہ یہ تھی کہ یورپ کے ہر اہم تجارتی مرکز میں ایک راسچائلڈ موجود تھا۔ باہمی تعاون کی ایسی مثال جس کا مدار خیالات کی ہم آہنگی پر ہو، زمانۂ مابعد جنگ میں کوئیکر (Quaker) جماعت کے انسانیت نواز کارنامے

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ چونکہ ان کا نظریۂ حیات ایک تھا، اس لیے وہ آسانی سے تعاون کرسکے۔ مشترک سرمائے کی کمپنیاں اور مزدوروں کی انجمنیں ایسے ادارے ہیں جن کی بنیاد ذاتی مفاد کی ہم آہنگی پر ہے۔

انسانوں کی جس جماعت کو کسی خاص مقصد کے لیے منظّم کیا جائے، اس کا مقصد اجتماعی اعتبار سے وہی ہوتا ہے جس کے لیے اس کی تنظیم کی جاتی ہے۔ اس لیے اس کی ذہنیت ایک فرد کے مقابلے میں زیادہ سادہ اور زیادہ ناتمام ہوتی ہے؛ مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ نفسیاتی تحقیقات کی انجمن صرف نفسیاتی تحقیق ہی سے سروکار رکھتی ہے، گو اس کے رکن کے پیش نظر اور بھی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں۔ برطانوی صنعتوں کی وفاقی انجمن صرف برطانوی صنعت وحرفت کا خیال رکھتی ہے، اگرچہ اس کے اَراکین تماشوں اور کرکٹ کے میچ سے بھی لطف اُٹھا سکتے ہیں۔ مجموعی طور پر ایک خاندان صرف خاندانی جائیداد کا خیال رکھتا ہے اور اکثر اپنے کسی ایک فرد کو اس مقصد پر قربان کردینے کے لیے تیار رہتا ہے۔

ایسے ولولے جو سیاسی طور پر منظّم کرلیے جائیں، غیر منظّم جذبات کے مقابلے میں بہت زیادہ طاقتور ہوتے ہیں؛ جو لوگ اتوار کو سینما دیکھنا چاہتے ہیں، وہ بالکل ایک غیر منظّم بھیڑ ہوتی ہے اور سیاسی لحاظ سے بالکل بے وقعت۔ وہ اہل 'سبت' (Sabattarians) جو یہ خواہش رکھتے ہیں کہ لوگ نہ جائیں، منظّم ہوتے ہیں اور سیاسی اثر ونفوذ رکھتے ہیں۔ سینما کے مالک بھی منظّم ہوتے ہیں، اس لیے سیاسی نقطہ نگاہ سے اتوار کے دن سینما کھلا رکھنے کا سوال سینما کے مالکوں اور سبتیوں کے درمیان مابہ النزاع ہے جس میں عوام کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔

ایک خاص آدمی مختلف جماعتوں کا رُکن ہوسکتا ہے جن میں سے بعض مفید، بعض مضر اور بعض بے ضرر قسم کی ہوں گی۔ فرض کیجیے، ایک آدمی برطانوی فاشی جماعت، گاؤں کی فٹ بال ٹیم اور تحقیق انسانیت کی مجلس کا رکن ہے؛ وہ تیسری حیثیت سے قابل تعریف، دوسری حیثیت سے معصوم اور پہلی حیثیت سے قابل نفرت ہے۔ وہ خود نیکی اور برائی کا مجموعہ ہے۔ لیکن ان اداروں کا اخلاقی کردار اچھا یا برا، جو کچھ بھی ہے، غیر مخلوط ہے جو ان اراکین میں نہیں پایا جاتا۔ اس امر کا انحصار کہ آیا کون انجمن اچھی ہے یا بری؟ انجمن میں شامل ہونے والے لوگوں

www.KitaboSunnat.com

کے کردار پر نہیں ہوتا بلکہ اُس مقصد پر ہوا کرتا ہے جس کی خاطر لوگوں کی تنظیم کی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا دور دراز خیالات کے اظہار کا مقصد ان عجیب نتائج تک پہنچنا ہے جو انسانوں کی اُس تنظیم سے صادر ہوتے ہیں جسے 'ریاست' کہتے ہیں۔ تقریباً تمام مہذب ممالک میں ریاست ان تمام تنظیموں سے زیادہ طاقتور ہے جن کے ساتھ انسان کا تعلق ہوتا ہے، اس لیے حکومت کا رکن ہونے کی حیثیت سے اس کے مقاصد سیاسی لحاظ سے دوسرے تمام مقاصد کے مقابلے میں بہت زیادہ مؤثر ہوتے ہیں، اس لیے اس مسئلے پر غور کرنا اہم ہوجاتا ہے کہ زمانۂ حاضر کی ریاست کے مقاصد کیا ہیں؟

ریاست کے فرائض کچھ تو داخلی ہوتے ہیں اور کچھ خارجی، اس لیے میں مقامی حکومت کو بھی ریاست کے فرائض میں شامل کرتا ہوں؛ مجملاً یوں کہا جاسکتا ہے کہ ریاست کے داخلی فرائض تو اچھے ہیں لیکن خارجی برے۔ یہ بیان بلا شبہ اتنا سادہ ہے کہ حرف بہ حرف درست نہیں ہوسکتا لیکن یہ اوّلین مفید تخمینے کا قائم مقام ہے۔ حکومت کے داخلی فرائض میں سڑکیں، روشنی، تعلیم، پولیس، قانون اور ڈاک خانہ وغیرہ شامل ہیں۔ ملکی انتظام کی تفصیلات کے بارے میں تو کسی کو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن صرف ایک نراجی ہی یہ کہے گا کہ یہ مقاصد بہ ذاتِ خود غیر پسندیدہ ہیں۔ جہاں تک ریاست کی داخلی سرگرمیوں کا تعلق ہے، وہ مجموعی طور پر باشندگانِ ملک کی وفاداری اور اِمداد کی مستحق ہے!

جب ہم اس کے خارجی مقاصد کی طرف آتے ہیں تو معاملہ مختلف ہوجاتا ہے۔ باقی دنیا کے معاملے میں ایک بڑی ریاست کے مقاصد دو ہوتے ہیں۔ جارحانہ حملوں کا دفاع اور غیر ملکی وسائل کے استعمال میں باشندگانِ ملک کی امداد۔ جارحانہ حملوں کا دفاع، جب خطرہ واقعی ہو اور حملے کو روکنے کے لیے ضروری نظر آئے تو ظاہر ہے کہ اسے مفید قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جو ذرائع حملوں کی روک تھام کے لیے درکار ہیں، وہی دوسرے ممالک کے استحصال میں کارآمد ہوتے ہیں۔

دنیا کی طاقتور ریاستوں کا مقصد کمزور ملکوں کی محنت اور ان کی معدنی دولت سے اقتصادی خراج وصول کرنا ہے اور اس خراج کی وصولی کے لیے مسلح افواج کو جن کا برائے نام مقصد

www.KitaboSunnat.com

دفاع ہوتا ہے، استعمال کیا جاتا ہے؛ مثلاً جب یہ معلوم ہوا کہ ٹرانسوال میں سونا موجود ہے تو حکومتِ برطانیہ نے اس پر حملہ کردیا، اور لارڈ سالسبری نے قوم کو یقین دلایا کہ ہمارا مقصد سونے کی کانیں حاصل کرنا نہ تھا، لیکن ہم کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ ہی گئے جہاں سونے کی کانیں موجود تھیں اور جب لڑائی ختم ہوئی تو ہم نے اپنے آپ کو ان کا مالک پایا۔

ایک اور مثال لیجیے؛ ہر شخص جانتا ہے کہ انگریز جنوبی ایران میں وہاں کی باشندوں کی بھلائی کے لیے گئے تھے، لیکن یہ امر مشکوک ہے کہ اگر ایرانی اس علاقے کے باشندے نہ ہوتے جہاں تیل کا بے اندازہ ذخیرہ موجود ہے تو آیا ہم ان کی بہتری میں اتنی دلچسپی لیتے؟ وسطی امریکہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے بعض کارناموں کے متعلق بھی اس طرح کی باتیں کہی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح منچوریا میں جاپان کے جانے کا محرک بھی شریف ترین جذبہ تھا لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ جاپانیوں کے مقاصد سے ہم آہنگ واقع ہوا ہے۔

یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ اکثر طاقتور ریاستوں کی حالیہ غیر ملکی سرگرمیوں کا مقصد یہ ہے کہ مسلح افواج کی امداد یا ان کی دہشت سے کام لے کر کمزور حکومتوں سے وہ دولت ہتھیالی جائے جو قانونی طور پر ان کی اپنی ملکیت ہے۔ اس قسم کی سرگرمیاں اگر اَفراد سے نجی طور پر سرزد ہوں تو جرم میں شمار ہوتی ہیں اور اگر بہت وسیع پیمانے پر نہ ہوں تو ان کے لیے سزا بھی دی جاتی ہے، لیکن اگر یہ قوموں سے صادر ہوں تو اہل ملک اُنہیں قابل ستائش سمجھتے ہیں۔

اس فکر ونظر سے میں اپنے اصل موضوع یعنی مدرسوں میں حبِ وطن کی تعلیم پر پہنچ گیا ہوں۔ اس تعلیم پر تنقید سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم نہ صرف اس کے منشا بلکہ اس کے حقیقی اثرات کے متعلق بھی وضاحت سے کام لیں۔ حبِ وطن کا منشا اس کے حامیوں کے خیال کے مطابق ایک ایسی چیز ہے جو بڑی حد تک اچھی ہے۔ گھر کی محبت اور اپنے وطن کی محبت بلکہ ایک خاص حد تک اس کے کارناموں پر فخر کرنا جہاں تک وہ فخر کے مستحق ہیں، یہ چیزیں مذموم نہیں۔ یہ ایک مختلف الاجزا جذبہ ہے جو کچھ تو وطن کی محبت اور اس کے مانوس قرب و جوار سے متعلق ہے اور کچھ اس جذبے سے وسیع تر خاندانی محبت سے مماثل ہے۔

اس جذبے کی اساس کچھ تو جغرافیائی اور کچھ حیاتیاتی ہے لیکن یہ ابتدائی جذبہ بذاتِ خود نہ

www.KitaboSunnat.com

تو سیاسی ہے اور نہ اقتصادی۔ یہ ایک آدمی کا احساس ہے اپنے وطن کے حق میں نہ کہ دوسرے ملکوں کے خلاف۔ یہ جذبہ اپنی ابتدائی صورت میں اُن دیہاتیوں کے سوا، جنہیں سیر و سیاحت کا بہت کم اتفاق ہوا، دوسرے لوگوں میں بمشکل پایا جاتا ہے۔ جو شہری ہمیشہ اپنی سکونت کو بدلتا رہے اور جس کے پاس زمین کا کوئی ایسا ٹکڑا نہ ہو جسے وہ اپنا کہہ سکے، اس میں یہ ابتدائی جذبہ جس سے حبِ وطن کا احساس پیدا ہوا ہے، دیہاتی مالکان زمین یا کسانوں کے مقابلے میں بہت کم ہوگا۔ اس کے بجائے شہری میں ایک اور احساس ہوگا جو زیادہ تر مصنوعی اور اس کی تعلیم اور اخبارات کی پیداوار ہوگا اور تقریباً مکمل طور پر ضرر رساں ہوگا۔ اس جذبے کی اساس وطن اور اہل وطن کی محبت پر اس قدر نہیں ہوتی جتنی دوسرے ممالک کی نفرت اور ان پر قبضہ کرنے کی خواہش پر ہوا کرتی ہے۔ تمام بُرے جذبات کی طرح یہ جذبہ بھی وفاداری کے بھیس میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ کوئی انسان ایک ایسے قابل نفرت جرم کا مرتکب ہو جس کے نام سے بھی وہ ڈر کر پیچھے ہٹ جائے تو پہلے اس کے دل میں مہا بدمعاشوں سے وفاداری کا جذبہ پیدا کیجیے، پھر اس جرم کو وصفِ وفاداری کے بھیس میں اس کے سامنے لائیے، حبِ وطن اس طریق عمل کی بہترین مثال ہے؛ مثلاً قومی جھنڈے کے احترام کا سوال ہی لیجیے، جھنڈا جنگجو قوم کا نشان ہوتا ہے۔ یہ دل میں لڑائی، جنگ، فتح اور بہادری کے کارناموں کے خیالات پیدا کرتا ہے۔ برطانوی جھنڈا ایک انگریز کو نیلسن اور ٹریفالگر (Trafalgar) کی یاد دلائے گا، نہ کہ شیکسپیئر، نیوٹن اور ڈارون کی۔

جو کام انسانی تہذیب کی ترقی کے سلسلے میں انگریزوں نے کیے ہیں وہ قومی جھنڈے تلے نہیں کیے گئے اور جب اس جھنڈے کی تعظیم کی جاتی ہے تو یہ چیزیں ذہن میں نہیں آتیں۔ انگریزوں نے اپنے بہترین کارنامے انگریزوں کی حیثیت میں نہیں بلکہ افراد کی حیثیت میں انجام دیے ہیں۔ جو کارنامے انگریزوں نے انگریز ہونے کی حیثیت میں یا اس احساس کے ماتحت کہ وہ انگریز ہیں، انجام دیے ہیں، کم قابل تعریف قسم کے ہیں، اور یہی وہ کارنامے ہیں جن کی تعریف قومی جھنڈا ہم سے کرانا چاہتا ہے۔ جو بات انگریزی قومی جھنڈے کے

www.KitaboSunnat.com

بارے میں درست ہے ، وہی ستاروں اور دھاریوں والے یا کسی دوسری طاقتور قوم کے جھنڈے کے بارے میں بھی صحیح ہے۔

تمام مغربی ممالک میں لڑکے لڑکیوں کو سکھایا جاتا ہے کہ ان کی نہایت اہم سماجی وفاداری اس ریاست کے ساتھ ہے جس کے وہ شہری ہیں اور ان کے ذمے ریاست کی طرف سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جس طرح اُنہیں حکومت کہے، وہ ویسا ہی کریں۔اس خیال سے کہ مبادا وہ اس نظریے پر اعتراض کر بیٹھیں، اُنہیں غلط تاریخ، غلط سیاسیات اور غلط اقتصادیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔اُنہیں غیر ممالک کی بداعمالیوں کی روداد سنائی جاتی ہے، لیکن اپنی حکومت کی بداعمالیوں کی نہیں۔ اُنہیں یہ بتایا جاتا ہے کہ تمام وہ جنگیں جن میں ان کے ممالک نے حصہ لیا ہے، دفاعی جنگیں ہیں لیکن دوسرے ممالک کی جنگیں جارحانہ ہیں۔اُنہیں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ جب ان کا ملک خلافِ توقع کسی دوسرے ملک کو فتح کر لیتا ہے تو اس کا مقصد تمدن، انجیل کی روشنی، اخلاقِ حسنہ، امتناعِ مسکرات یا اسی طرح کے اور ایسے ہی بلند مقاصد کی اشاعت ہوتی ہے؛ نیز اُنہیں بتایا جاتا ہے کہ دوسرے ممالک کا کوئی معیارِ اخلاق نہیں اور جیسا کہ انگریزوں کا قومی ترانہ کہتا ہے: ''قدرت کا یہ فرض ہے کہ دشمنوں کے بدمعاشانہ مکروفریب کو تہس نہس کردے۔'' قدرت کا یہ فرض ایسا ہے جس کی بجا آوری کے لیے وہ ہمیں آلۂ کار بنانے میں تامل نہیں کرے گی۔حق یہ ہے کہ جب کسی قوم کو دوسری قوم سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ اس قدر جرائم کا ارتکاب کرتی ہے جتنے اس کی مسلح افواج سے بن پڑتے ہیں۔ عام شہری بلکہ مہذب شہری بھی اُن سرگرمیوں کو سراہتے ہیں جن کی وجہ سے یہ جرائم واقع ہوتے ہیں کیونکہ نہ تو اُنہیں یہ علم ہوتا ہے کہ کیا کچھ ہورہا ہے اور نہ وہ واقعات کو صحیح پس منظر میں دیکھتے ہیں۔

ایک عام شہری نادانستہ طور پر استحصال کی خاطر قتل وخون میں شریک ہونے پر رضا مندی ہوجاتا ہے۔اس رضامندی کی ذمہ داری زیادہ تر تعلیم پر ہے۔بعض لوگ اخبارات کو بُرا بھلا کہتے ہیں لیکن میرے رائے میں وہ اس معاملے میں غلطی پر ہیں۔اخبارات ویسے ہی ہوں گے جیسے عوام چاہیں گے اور عوام بُرے اخبارات پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کی تعلیم برے طریقے پر ہوتی ہے۔قوم پرستانہ جذبۂ حبِ وطن مدرسے میں سکھائے جانے کے بجائے ایسا اجتماعی مرض

ہے جس کی زد میں بدقسمتی سے لوگ آجاتے ہیں اور جس سے بچاؤ کے لیے اُنہیں ذہنی اور اخلاقی طور پر مستحکم بنایا جانا چاہیے۔

بلاشبہ جذبۂ قومیت ہمارے عہد کی سب سے زیادہ خطرناک بُرائی ہے جو شراب نوشی، مسکرات، کاروباری بددیانتی اور اس طرح کی دیگر برائیوں سے بھی خطرناک ہے جن سے بچاؤ رسمی اخلاقی تعلیم کا منشا ہے۔ تمام وہ لوگ جو دنیاے جدید کا جائزہ لینے کی اہلیت رکھتے ہیں، جانتے ہیں کہ جذبۂ قومیت کی وجہ سے ہماری تہذیب کی بقا خطرے میں پڑ گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حقیقت سے تقریباً تمام وہ لوگ آشنا ہیں جو بین الاقوامی معاملات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود قومی دولت کو ہر جگہ اس تباہ کن بُرائی کی اشاعت اور تقویت پر صرف کیا جارہا ہے۔ جو لوگ اس خیال کے ہیں کہ بچوں کو یہ نہ سکھایا جائے کہ وہ لوگوں کے قتل عام کو انسان کا بہترین عمل خیال کریں، اُنہیں غدار اور اپنے ملک کے سوا باقی تمام ملکوں کا دوست بنا کر بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔ یہ خیال ہوسکتا تھا کہ چونکہ والدین کو بچوں سے قدرتی لگاؤ ہوتا ہے، اس لیے اُنہیں یہ خیال دکھ دے گا کہ ان کے بچے عذاب میں مبتلا ہوکر مریں، لیکن صورتِ حال یہ نہیں ہے۔ اگرچہ خطرہ یقینی ہے لیکن اکثر ممالک میں اقتدار کے مالک ان تمام کوششوں کو جو اس خطرے کی روک تھام کے لیے کی جارہی ہیں، ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ فوجی ملازمت کو اپنے ملک کی حفاظت کے لیے 'شریف ترین اہتمام' کہا جاتا ہے اور نوجوانوں کو اس امر سے آگاہ کرنے کے لیے ایک لفظ نہیں کہا جاتا کہ اگر ان کا ملک طاقتور ہے تو فوجی اقدامات دفاعِ ملک کے بجائے زیادہ تر دوسرے ممالک کے خلاف جارحانہ اقدامات پر ہی مشتمل ہوں گے۔

حبِ وطن کی تعلیم کے خلاف کئی اعتراض ہیں؛ پہلا اعتراض تو وہی ہے جس پر ہم ابھی بحث کرچکے ہیں، یعنی جب تک جذبۂ قومیت کا زہر کم نہ ہوگا، اُس وقت تک تمدن کی بقا کی کوئی صورت نہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جس ادارے میں لوگوں کو انسانوں کے قتل کی تعلیم دی جارہی ہو، وہاں اُنہیں مہذب انسانی نصب العین کی تعلیم دینا بے حد دشوار ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ نفرت کی تعلیم جو جذبۂ قومیت کا ایک ضروری حصہ ہے، بذاتِ خود ایک بُری چیز ہے۔

www.KitaboSunnat.com

لیکن ان اعتراضات کے علاوہ اس تعلیم کے خلاف ایک خالص عقلی اعتراض بھی ہے، یعنی قومیت کی تعلیم کئی بے سروپا باتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں بچوں کو پڑھایا جاتا ہے کہ ان کا ملک بہترین ملک ہے، اور سوائے ایک ملک کے باقی ممالک میں یہ بات غلط ہے۔ چونکہ مختلف اقوام اس امر پر متفق نہیں ہوسکتیں کہ وہ کون سا ملک ہے جس کے متعلق یہ بات درست ہے، اس لیے بہتر یہی ہوگا کہ دوسری اقوام کی تذلیل کرکے اپنی قوم کی خوبیوں پر زور دینے کی عادت کو چھوڑ دیا جائے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ خیال سرے سے مفسدانہ اور بعض صورتوں میں خلافِ قانون سمجھا جاتا ہے کہ بچوں کو جو کچھ پڑھایا جائے، وہ امکانی حد تک درست ہونا چاہئے، لیکن پھر بھی میرا عقیدہ یہی ہے کہ جھوٹ سکھانے سے سچ سکھانا بہتر ہے۔

تاریخ تمام ممالک میں ایک ہی طرح پڑھائی جانی چاہیے اور نصاب کی تاریخی کتابیں 'مجلس اقوام' کی نگرانی میں لکھوائی جانی چاہئیں جس کے لیے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور روس سے ایک ایک معاون کی خدمات حاصل کی جائیں۔ تاریخ کو عالمی تاریخ ہونا چاہیے، نہ کہ قومی تاریخ اور اسے جنگوں کے بجائے ثقافتی اہمیت کے معاملات پر زور دینا چاہیے۔ جس حد تک لڑائیوں کا پڑھانا ضروری ہو، وہ صرف فاتحانہ اور دلیرانہ کارناموں کے زاویۂ نگاہ سے نہ پڑھائی جائیں۔ طالبِ علم میدانِ جنگ میں زخمی سپاہیوں کے درمیان ٹھہریں اور اُنہیں غیر آباد علاقوں میں بے گھر لوگوں کی حالتِ زار کا احساس دلایا جائے اور نیز اُنہیں ان تمام مظالم اور بے انصافیوں سے آگاہ کیا جانا چاہیے جن کے مناظر لڑائی میں نظر آتے ہیں۔

موجودہ حالت میں تقریباً تمام تعلیم جنگ کی عظمت نمایاں کرنے والی ہے۔ مدارس کی تعلیم کے مقابلے میں صلح کل کی داعی جماعت کی تمام مساعی بے اثر ہیں۔ یہ حالت بالخصوص ان مدارس کی ہے جو اُمرا کے بچوں کے لیے مخصوص ہیں اور جو ہر جگہ ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے غربا کے مدارس کے مقابلے میں پست تر ہیں۔ بچوں کو مدارس میں دوسری اقوام کے نقائص تو بتا دیے جاتے ہیں لیکن اپنی قوم کے نقائص نہیں بتائے جاتے۔ دوسری اقوام کے نقائص جاننے سے انسان میں اپنے آپ کو حق پر سمجھنے اور جنگجو بننے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، حالانکہ اپنے عیوب سے باخبر رہنا مفید ہوتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

کون سے انگریز بچوں کو مدارس میں آئرلینڈ کے بلیک اینڈ ٹینز (Black and Tans) کے واقعات کے متعلق سچ بتایا جاتا ہے؟ کون سے فرانسیسی بچوں کو سیاہ افواج کے قبضہ روہر کے بارے میں سچائی بتائی جاتی ہے؟ کون سے امریکی لڑکے کو ساکو (Sacco) اور وزنٹی (Vanzetti) کے متعلق یا مونی (Mooney) اور بلنگز (Billings) کے بارے میں صحیح واقعات بتائے جاتے ہیں؟ انہی نظر اندازیوں کی وجہ سے ہر مہذب ملک کا ایک عام شہری خود فریبی میں پھنسا رہتا ہے، وہ باقی اقوام کے متعلق ان تمام اُمور سے باخبر ہوتا ہے جو خود اُنہیں معلوم نہیں ہوتے اور اسے ان باتوں کی خبر نہیں ہوتی جو دوسری قومیں اپنے ملک کے متعلق جانتی ہیں۔

حبِ وطن کی تعلیم کا اکثر حصہ تو عقلی طور پر غلط ہے، تاہم اخلاقی لحاظ سے اس کی حیثیت بے ضرر ہے۔ جو لوگ پڑھاتے ہیں خود اُنہیں غلط طریقے پر تعلیم دی گئی تھی؟ چنانچہ وہ یہ محسوس کرنا سیکھ گئے ہیں کہ جس دنیا میں دوسرے ممالک کے لوگ ایسے برے ہیں، وہاں عظیم فوجی مساعی ہی ان کے ملک کو تباہی سے بچا سکتی ہیں۔ بہرحال حبِ وطن کے اس پروپیگنڈے کا ایک اور کم بے ضرر پہلو بھی ہے۔ کچھ مفاد ایسے ہیں جو اس پروپیگنڈے سے زر اندوزی کا کام لیتے ہیں۔ صرف اسلحہ سازی کے مفاد ہی نہیں بلکہ وہ مفاد بھی جنہوں نے پس ماندہ ملکوں میں روپیہ لگا رکھا ہے؛ مثلاً اگر تم کسی غیر منظّم ملک میں تیل کے مالک ہو تو تیل نکالنے کے اخراجات کے دو حصے ہوں گے: اوّل فنی یعنی تیل نکالنے کے سیدھے سادے مصارف، دوم سیاسی یا فوجی۔ یعنی باشندگانِ ملک کو قابو میں رکھنے کے اخراجات۔ تمہیں ان اخراجات کا صرف پہلا حصہ ہی برداشت کرنا ہوگا، اخراجات کا دوسرا حصہ جو ممکن ہے، بہت زیادہ ہو، ٹیکس ادا کرنے والوں پر پڑے گا جنہیں حبِ وطن کے پروپیگنڈے کے زور سے یہ بوجھ اُٹھانے پر آمادہ کیا جائے گا۔ اس طریقے سے حبِ وطن اور مالیات میں ایک نہایت نامناسب رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ یہ ایک مزید حقیقت ہے جس کو نوجوانوں سے نہایت احتیاط کے ساتھ چھپایا جاتا ہے۔

حبِ وطن کا جذبہ اپنی تمام جنگجویانہ شکلوں میں روپے پیسے کے ساتھ نہایت گہرے روابط

www.KitaboSunnat.com

رکھتا ہے۔حکومت کی مسلح افواج اہلِ ملک کو دولت مند بنانے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں یا کی جاسکتی ہیں۔اس چیز کی تکمیل کچھ تو خراج اور تاوان کی وصولی سے کی جاتی ہے، کچھ ان قرضوں کی ادائیگی پر اِصرار کرنے سے جو ردّ کیے جاسکتے تھے، کچھ اجناسِ خام پر قبضہ کرنے سے اور کچھ جبری تجارتی معاہدوں سے۔اگر اس تمام طریق کار کو جذبۂ قومیت کے نظر فریب حسن نے چھپا نہ دیا ہوتا تو تمام معقول انسانوں پر اس کی بے ہودگی اور بُرائی واضح ہوجاتی۔

اگر آپ چاہیں تو تعلیم آسانی سے لوگوں میں انسانی نسل کے استحکام اور بین الاقوامی تعاون کا احساس پیدا کرسکتی ہے۔ایک ہی نسل کے اندر اندر اس تیز وتند جذبۂ قومیت کی آگ کو بجھایا جاسکتا ہے جس سے دنیا تکلیف میں مبتلا ہے، ایک ہی نسل کے اندر اندر اس جذبے کی دیواروں کو جو ہمیں روز بروز مفلس بنا رہی ہیں، پست کیا جاسکتا ہے۔جنگی تیاریاں جن سے ہم اپنے آپ کو موت کے خطرے میں مبتلا کررہے ہیں، ختم کی جاسکتی ہیں اور وہ خبثِ باطن جس سے ہم خود اپنی ناک آپ کاٹ رہے ہیں، جذباتِ خیر سگالی میں بدل سکتا ہے۔جذبۂ قومیت جو اس وقت ہر طرف چھایا ہوا ہے، زیادہ تر سکولوں کی پیداوار ہے اور اگر اس کو ختم کرنا ہے تو ہمیں تعلیم میں نئی روح پھونکنا ہوگی۔

یہ معاملہ بھی تخفیفِ اسلحہ کی طرح بین الاقوامی سمجھوتے سے طے کرنا پڑے گا۔مجلس اقوام کو اگر کبھی چیرہ دست اقوام کے اعمال کی لیپ پوت سے فراغت مل گئی تو شاید وہ جلد یا بدیر معاملے کی اہمیت سے آگاہ ہوجائے۔ممکن ہے حکومتیں تاریخ کی ایک سی تعلیم پر راضی ہوجائیں، ممکن ہے اگلی جنگ عظیم کے ہلاکت سے بچے کھچے لوگ، بشرطیکہ کوئی زندہ بچ سکا، جمع ہوکر فیصلہ کریں کہ متعدد قومی جھنڈوں کی جگہ بین الاقوامی جھنڈے کو دے دی جائے، لیکن بلاشبہ یہ باتیں شیخ چلّی کے خواب ہیں۔

یہ اُستادوں کی فطرت ہے کہ جو کچھ وہ جانتے ہیں، وہی سکھاتے ہیں، خواہ یہ علم کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو۔فرض کیجیے کہ تاریخ کے انگریز اُستادوں کو ایک ایسے بین الاقوامی معاہدے کا خطرہ درپیش ہے جس کے ماتحت عالمی تاریخ کا پڑھانا ضروری ہوگا۔ایسی حالت میں اُنہیں سن ہجری اور فتح قسطنطنیہ کی تاریخ بھی معلوم کرنی ہوگی۔اسی طرح چنگیز خاں اور آئیوان مہیب

www.KitaboSunnat.com

(Terrible Ivan the) کے حالات جاننا پڑیں گے اور یہ بھی کہ جہازرانوں کا قطب نما چین سے نکل کر عرب ملاحوں کے پاس کیوں کر پہنچا اور یہ کہ سب سے پہلے یونانیوں نے مہاتما بُدھ کے مجسّمے بنائے۔ جب ان کے اوقات سے ایسے تقاضے کیے جائیں گے تو ان کی برہمی کی کوئی حد نہیں رہے گی اور وہ ایک ایسی نئی حکومت کے لیے جدوجہد شروع کردیں گے جو مجلس اقوام کے اَحکام کی خلاف ورزی کا حلف اُٹھالے۔

ہمارے عہد میں تمام مغربی دنیا کا سارا عملی زور سرمایہ دارانہ مہموں پر صرف ہورہا ہے اور مجموعی طور پر یہ ایسی طاقت ہے جو تباہی کی طرف لے جارہی ہے۔ انسانوں کی وہ جماعتیں جو اچھے کام کرسکتی ہیں، مثلاً سکولوں کے اساتذہ ان کی ایک معتدبہ تعداد حالتِ موجودہ پر قانع ہے۔ اگر سماج میں کوئی اصلاح کی جائے گی تو اس سے ان کے اسباق میں بھی تبدیلی لازمی ہوجائے گی، اس لیے جہاں تک ممکن ہو، وہ اس سے بچنا ضروری سمجھیں گے۔ جس کوشش سے وہ بچنا چاہتے ہیں، اس کی حیثیت صرف عقلی نہیں بلکہ جذباتی بھی ہے۔ جانے پہچانے جذبات آسانی سے پیدا ہوجاتے ہیں اور ایک جانے پہچانے موقع پر (مثلاً قومی ترانے کے گائے جانے کے وقت) اپنے آپ کو نئے قسم کے جذبات پیدا کرنے کا ڈھب سکھانا مشکل ہے۔ اس طور پر ہماری موجودہ دنیا جہاں نیک آدمی کاہل ہیں اور صرف بُرے لوگ سرگرمِ عمل، بدقسمتی کے عالم میں چکر کھاتی ہوئی تباہی کی طرف جارہی ہے۔ بعض اوقات لوگ تباہی کے غار کو دیکھ لیتے ہیں، لیکن غیرحقیقی جذبات کا نشہ جلد ان کی آنکھوں کو بند کردیتا ہے۔ جو لوگ نشے کی حالت میں نہیں ہیں، ان کے لیے خطرہ بالکل واضح ہے۔ جذبۂ قومیت ہی وہ بڑی طاقت ہے جو ہماری تہذیب کو تباہی کی طرف دھکیل رہی ہے۔

نوٹ: انگلستان کے سرکاری سکولوں میں جذبۂ قومیت کا اندازہ مس بیرل ایلوارڈ (Miss Beryl Aylward) کی مثال سے لگایا جاسکتا ہے جسے کوونٹری (Coventry) کے سکول سے اس لیے موقوف کردیا گیا کہ اس نے امپائر ڈے کے موقع پر قومی جھنڈے کو سلامی دینے سے انکار کردیا تھا۔ اس نے یہ کہا تھا کہ چونکہ وہ کوئیکر جماعت سے ہے، اس لیے وہ خود اپنے ملک کی قصیدہ خوانی کو بین الاقوامی جذبۂ خیرسگالی کا ممد نہیں خیال کرتی؛ لہٰذا ظاہر ہے کہ کوئی باضمیر کوئیکر یا صلح کل انسانی انگلستان کے کسی سرکاری سکول میں اُستاد کی اسامی پر نہیں رہ سکتا۔

www.KitaboSunnat.com

خطباء، دعاۃ اور اہل علم کے لیے خوش خبری

زاد الخطیب

[دوسرا ایڈیشن]

تالیف: ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد

◉ دیدہ زیب ٹائٹل ◉ خوب صورت طباعت ◉ مضبوط جلد
◉ عمدہ کاغذ ◉ دو جلدیں اور انتہائی کم قیمت

✷ **جلد اوّل:** سال بھر کی مخصوص دینی مناسبتوں کے متعلق خطبات
✷ **جلد دوم:** عقائد اخلاقیات وغیرہ سے متعلق عمومی موضوعات

❁ انداز نہایت علمی اور شستہ
❁ متعدد اہل علم کی تقاریظ سے آراستہ
❁ پہلے ایڈیشن کی مقبولیت کے بعد دوسرا ایڈیشن سابقہ مطبعی غلطیوں سے بہت حد تک صاف

ملنے کے پتے:

◉ **رانا طاہر محمود**، لاہور، فون: 0333-4237720
◉ **مولانا ارشد علی**، جامعہ محمدیہ للبنین والبنات، T ایریا کورنگی نمبر۲، کراچی
فون: 0300-2682701، 021-2005291
◉ **حافظ نصر اللہ**، ملتان، فون: 0302-3736449
◉ **مکتبہ اسلامیہ**، غزنی سٹریٹ، بالمقابل رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور 042-7244973
◉ **مکتبہ اسلامیہ**، کوتوالی روڈ، فیصل آباد، فون: 041-2631204

نوٹ: کتاب بذریعہ ڈاک نہیں بھیجی جائے گی، خواہش مند حضرات خود تشریف لائیں یا کسی کے ذریعے دستی منگوائیں۔

www.KitaboSunnat.com

تاریخ وسیر

ترجمہ: مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی

ائمہ فقہاؒ کی علم پروری اور معاشی معمولات

حصول علم کیلئے امام شافعی کا سفر

امام شافعیؒ کا یہ سفر نامہ ان کے مشہور شاگرد ربیع بن سلیمان نے روایت کیا ہے اور یہاں ابن حجر کی کتاب ثمرات الأوراق طبع مصر سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: مکہ سے جب میں روانہ ہوا تو میری عمر چودہ برس کی تھی، منہ پر ابھی سبزہ نمودار نہیں ہوا تھا، دو یمنی چادریں میرے جسم پر تھیں۔ ذی طویٰ پہنچا تو ایک پڑاؤ دکھائی دیا، میں نے صاحب سلامت کی۔ ایک بڑے میاں، میری طرف بڑھے اور لجاجت سے کہنے لگے: ''تمہیں خدا کا واسطہ، ہمارے کھانے میں ضرور شریک ہو۔'' مجھے معلوم نہ تھا کہ کھانا نکل چکا ہے۔ بڑی بے تکلفی سے میں نے دعوت قبول کرلی۔ وہ لوگ پانچوں انگلیوں سے کھاتے تھے۔ میں نے بھی ان کی ریس کی، تاکہ میرے کھانے سے اُنہیں گھن نہ آئے۔ کھانے کے بعد پانی پیا، اور شکرِ خداوندی کے ساتھ اپنے بوڑھے میزبان کا بھی شکریہ ادا کیا۔

اب بڑے میاں نے سوال کیا: تم مکی ہو؟ میں نے جواب دیا، جی ہاں، مکی ہوں۔ کہنے لگا: قریشی ہو؟ میں نے کہا: ہاں، قریشی ہوں۔ پھر خود میں نے پوچھا: چچا! یہ آپ نے کیسے جانا کہ میں مکی اور قریشی ہوں؟ بوڑھے نے جواب دیا: ''شہری ہونا تو تمہارے لباس سے ہی ظاہر ہے، اور قریشی ہونا تمہارے کھانے سے معلوم ہوگیا۔ جو شخص دوسروں کا کھانا بے تکلفی سے کھالیتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اس کا کھانا بھی دل کھول کے کھائیں، تو یہ خصلت صرف قریش کی ہی ہے۔''

میں نے پوچھا: آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ بوڑھے نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ کا شہر 'یثرب' میرا وطن ہے۔ میں نے پوچھا: مدینے میں کتاب اللہ کا عالم اور سنت رسول اللہ

www.KitaboSunnat.com

ﷺ سے فتویٰ دینے والا مفتی کون ہے؟ بوڑھے نے جواب دیا: بنی اَصبح کا سردار مالک بن انس (امام مالکؒ)۔ میں نے کہا: آہ! اللہ ہی جانتا ہے، امام مالک سے ملنے کا مجھے کتنا شوق ہے! بوڑھے نے جواب دیا: خوش ہوجاؤ، اللہ نے تمہارا شوق پورا کردیا۔ اس بھورے اونٹ کو دیکھو، یہ ہمارا سب سے اچھا اونٹ ہے، اسی پر تم سوار ہوگے۔ ہم اب جا ہی رہے ہیں، رستے بھر تمہاری ہر طرح کی خاطر کریں گے۔ کوئی تکلیف ہونے نہ دیں گے اور مدینے میں مالک بن انسؒ کے پاس تمہیں پہنچا دیں گے۔''

جلد اونٹ قطار میں کھڑے کر دیے گئے مجھے اسی بھورے اونٹ پر بٹھایا گیا اور قافلہ چل پڑا۔ میں نے تلاوت شروع کردی، مکہ سے مدینے تک سولہ بار قرآن کریم ختم ہوگیا۔ ایک دن میں ختم کرلیتا اور دوسرا رات میں۔

امام مالکؒ سے ملاقات

آٹھویں دن نمازِ عصر کے بعد مدینے میں ہمارا داخلہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھی، پھر قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور نبی ﷺ کو سلام کیا۔ یہیں امام مالکؒ دکھائی دیے۔ ایک چادر کی تہ بند باندھے تھے، دوسری چادر اوڑھے تھے اور بلند آواز سے حدیث روایت کر رہے تھے: ''مجھ سے نافع نے ابن عمرؓ کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا .....'' یہ کہہ کر اُنہوں نے زور سے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور قبر شریف کی طرف اشارہ کیا۔

یہ نظارہ دیکھ کر امام مالکؒ بن انس کی ہیبت مجھ پر چھا گئی اور جہاں جگہ ملی، میں وہیں بیٹھ گیا۔ امام مالکؒ حدیث روایت کرنے لگے۔ میں نے جلدی سے زمین پر پڑا ہوا ایک تنکا اُٹھا لیا۔ مالک جب کوئی حدیث سناتے تو میں اسی تنکے کو اپنے لعابِ دہن سے تر کرکے اپنی ہتھیلی پر لکھ لیتا۔ امام مالک میری حرکت دیکھ رہے تھے مگر مجھے خبر نہ تھی۔ آخر مجلس ختم ہوگئی اور امام مالک دیکھنے لگے کہ سب کی طرح میں بھی اُٹھ جاتا ہوں یا نہیں۔ میں بیٹھا رہا تو امام مالکؒ نے اشارے سے مجھے بلایا۔ میں قریب پہنچا تو کچھ دیر بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا: ''تم حرم کے رہنے والے ہو؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں حرم کا باشندہ ہوں۔ پوچھا:

www.KitaboSunnat.com

''مکی ہو۔'' میں نے کہا: جی ہاں، کہنے لگے: ''قریشی ہو؟'' میں نے کہا، جی ہاں۔

فرمانے لگے: ''سب اوصاف پورے ہیں، مگر تم میں ایک بے ادبی ہے۔'' میں نے عرض کیا: آپ نے میری کون سی بے ادبی دیکھی ہے؟ کہنے لگے: ''میں رسول اللہ ﷺ کے کلمات طیبات سنا رہا تھا اور تم تنکا لئے اپنے ہاتھ پر کھیل رہے تھے!'' میں نے جواب دیا: کاغذ پاس نہیں تھا، اس لئے آپ سے کچھ سنتا تھا، اسے لکھتا جاتا تھا۔ اس پر امام مالک نے میرا ہاتھ کھینچ کر دیکھا اور فرمایا: ہاتھ پر تو کچھ بھی لکھا نہیں ہے!'' میں نے عرض کیا، ہاتھ پر لعاب باقی نہیں رہتا، لیکن آپ نے جتنی حدیثیں سنائی ہیں، مجھے سب یاد ہو چکی ہیں۔ امام مالکؒ کو تعجب ہوا کہنے لگے: ''سب نہیں، ایک ہی حدیث سنا دو۔'' میں نے فوراً کہا: ہم سے امام مالکؒ نے، نافعؒ اور ابن عمرؓ کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا ہے۔'' اور مالک ہی کی طرح میں نے ہاتھ پھیلا کر قبر شریف کی طرف اشارہ کیا پھر وہ پوری پچیس حدیثیں سنا دیں جو اُنہوں نے اپنے بیٹھنے کے وقت سے مجلس کے خاتمے تک سنائی تھیں۔

امام مالکؒ کے گھر میں

اب سورج ڈوب چکا تھا، امام مالکؒ نے نماز پڑھی پھر میری طرف اشارہ کر کے غلام سے کہا: ''اپنے آقا کا ہاتھ تھام'' اور مجھ سے فرمایا: ''اُٹھو، غلام کے ساتھ میرے گھر جاؤ۔'' میں نے ذرا انکار نہ کیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ امام مالک جو مہربانی مجھ سے کرنا چاہتے تھے میں نے بخوشی قبول کر لی۔ جب گھر پہنچا تو غلام ایک کوٹھڑی میں مجھے لے گیا اور کہنے لگا: گھر میں قبلے کا رخ یہ ہے۔ پانی کا لوٹا بھی یہ رکھا ہے اور بیت الخلا ادھر ہے۔

تھوڑی دیر بعد خود امام مالکؒ آ گئے۔ غلام بھی ساتھ تھا، اس کے ہاتھ پر ایک خوان تھا۔ مالک نے خوان لے کر فرش پر رکھ دیا۔ پھر مجھے سلام کیا اور غلام سے کہا: ہاتھ دھلا، غلام برتن لئے میری طرف بڑھا، مگر مالک نے ٹوکا: ''جانتا نہیں، کھانے سے پہلے میزبان کو ہاتھ دھونا چاہیے اور کھانے کے بعد مہمان کا۔'' مجھے یہ بات پسند آئی اور اس کی وجہ دریافت کی۔ امام مالک نے جواب دیا: ''میزبان کھانے پر مہمان کو بلاتا ہے، اس لئے پہلے ہاتھ بھی میزبان ہی

www.KitaboSunnat.com

کو دھونا چاہئے اور کھانے کے بعد آخر میں اس لئے ہاتھ دھوتا ہے کہ شاید اور کوئی مہمان آجائے تو کھانے میں میزبان اس کا بھی ساتھ دے سکے!''

اب امام مالکؒ نے خوان کھولا تو اس میں دو برتن تھے۔ ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں کھجوریں۔ امام مالک نے بسم اللہ کہی میں نے بھی بسم اللہ کہی اور ہم نے کھانا ٹھکانے لگا دیا۔ مگر مالک بھی جانتے تھے کہ کھانا کافی نہیں ہے۔ کہنے لگے ''ابوعبداللہ! ایک مفلس قلاش فقیر، دوسرے فقیر کے لئے جو کچھ پیش کرسکتا تھا، یہی تھا!'' میں نے عرض کیا: ''وہ معذرت کیوں کرے جس نے احسان کیا ہے؟ معذرت کی تو قصوروار کو ضرورت ہوتی ہے!''

امام مالک کا اخلاق

کھانے کے بعد امام مالکؒ مکہ والوں کے حالات پوچھتے رہے اور جب رات زیادہ ہوگئی تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''مسافر کو لیٹ لوٹ کر تھکن کم کرنا چاہیے، اب تم آرام کرو۔'' میں تھکا ہوا تو تھا ہی، لیٹتے ہی بے خبر سوگیا۔ پچھلے پہر کو ٹھڑی پر دستک پڑی اور آواز آئی: اللہ کی رحمت ہو تم پر..... نماز!'' میں اُٹھ بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ خود امام مالکؒ ہاتھ میں لوٹا لئے کھڑے ہیں! مجھے بڑی شرمندگی ہوئی۔ مگر وہ کہنے لگے: ''ابوعبداللہ! کچھ خیال نہ کرو۔ مہمان کی خدمت فرض ہے!''

میں نماز کے لئے تیار ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں امام مالکؒ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ اندھیرا بہت تھا، کوئی کسی کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر تسبیح وذکر الٰہی میں مصروف ہوگئے یہاں تک کہ پہاڑیوں پر دھوپ نمودار ہوگئی۔ امام مالکؒ جس جگہ کل بیٹھے تھے، اسی جگہ آج بھی جا بیٹھے اور اپنی کتاب موطأ میرے ہاتھ میں دے دی۔ میں نے کتاب سنانا شروع کی اور لوگ لکھنے لگے۔

میں امام مالکؒ کے گھر آٹھ مہینے رہا۔ پوری موطأ مجھے حفظ ہوگئی، مجھ میں اور امام مالک میں اس قدر محبت اور بے تکلفی ہوگئی تھی کہ اَن جان دیکھ کر کہہ نہیں سکتا تھا کہ مہمان کون ہے اور میزبان کون؟

www.KitaboSunnat.com

عراق کو قافلہ

حج کے بعد زیارت کرنے اور موطأ سننے کے لئے مصر کے لوگ مدینے آئے اور امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچے۔ میں نے مصریوں کو پوری موطأ زبانی سنا دی۔

اس کے بعد عراق والے مسجدِ نبی ﷺ کی زیارت کو حاضر ہوئے۔ قبر اور منبر کے درمیان مجھے ایک نوجوان دکھائی دیا۔ خوبصورت تھا، صاف ستھرے کپڑے پہنے تھا۔ اس کی نماز بھی اچھی تھی۔ قافیہ بتا رہا تھا کہ بھلا آدمی ہے اور بھلائی کی اُمید اس سے باندھی جاسکتی ہے۔ میں نے نام پوچھا، بتا دیا۔ میں نے وطن پوچھا، کہنے لگا: عراق۔ میں نے سوال کیا: عراق کا کونسا علاقہ؟ اس نے جواب دیا: کوفہ۔ میں نے کہا: کوفے میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کا عالم اور مفتی کون ہے؟ کہنے لگا: ابو یوسفؒ اور محمد بن حسنؒ، جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ میں نے پوچھا: عراق کو تمہاری واپسی کب ہوگی؟ اس نے جواب دیا: کل صبح تڑکے۔

یہ سن کر امام مالکؒ کے پاس آیا اور عرض کیا: ''مکے سے طلبِ علم میں نکلا ہوں۔ بوڑھی (والدہ) سے اجازت بھی نہیں لی ہے، اب فرمایئے کیا کروں؟ بڑھیا کے پاس لوٹ جاؤں یا علم کی جستجو میں آگے بڑھوں؟''

امام مالک نے جواب دیا: ''علم کے فائدے کبھی ختم نہیں ہوتے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ طالبِ علم کے لئے فرشتے اپنے پر پھیلا دیتے ہیں؟''

میں نے سفر کا اِرادہ پکا کرلیا اور امام مالکؒ نے راستے کے لئے میرے کھانے کا بندوبست کر دیا۔ صبح تڑکے امام مالکؒ مجھے پہنچانے بقیع تک آئے اور زور سے پکارنے لگے۔ ''کوفے کے لئے کون اپنا اونٹ کرائے پر دیتا ہے؟'' یہ سن کر مجھے بہت تعجب ہوا اور عرض کیا ''یہ کیا کر رہے آپ؟ نہ میرے پاس کوئی پیسہ ہے، نہ خود آپ ہی کی حالت کسی قابل ہے۔ پھر یہ کرائے کا اونٹ کیسا؟'' امام مالک مسکرائے اور کہنے لگے: ''نمازِ عشاء کے بعد جب تم سے رخصت ہوا تو دروازے پر دستک پڑی باہر نکلا تو عبد الرحمٰن بن قاسم کھڑے تھے۔ ہدیہ لائے تھے، منتیں کرنے لگے کہ قبول کرلوں۔ ہاتھ میں ایک ہتھیلی تھما دی۔ تھیلی میں سو دینار نکلے، پچاس میں

www.KitaboSunnat.com

نے اپنے بال بچوں کے لئے رکھ لئے ہیں اور پچاس تمہارے واسطے لے آیا ہوں!'' پھر امام مالکؒ نے چار دینار میں اونٹ طے کردیا۔ باقی رقم میرے حوالے کی اور مجھے خدا حافظ کہا۔

کوفے میں آمد

حاجیوں کے اس قافلے کے ساتھ میں روانہ ہوگیا۔ چوبیسویں دن ہم کوفے پہنچے اور عصر کے بعد میں مسجد میں داخل ہوا۔نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ اسی دوران ایک لڑکا دکھائی دیا۔ نماز پڑھ رہا تھا،مگر اس کی نماز ٹھیک نہیں تھی۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور نصیحت کرنے اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے کہا: میاں صاحبزادے! نماز اچھی طرح پڑھا کرو،تاکہ خدا تمہارے اس حسین مکھڑے کو عذابِ دوزخ میں مبتلا نہ کرے!''

لڑکے کو میری بات بری لگی اور کہنے لگا:'' معلوم ہوتا ہے تم حجازی ہو، یہ سختی وخشکی حجازیوں ہی میں ہوتی ہے۔عراقیوں جیسی نرمی وشگفتگی بھلا ان میں کہاں۔ میں پندرہ برس سے اسی مسجد میں محمد بن حسن اور ابو یوسف کے سامنے نماز پڑھ رہا ہوں۔ ان اماموں نے تو کبھی ٹوکا نہیں۔ اب آئے ہو تم اعتراض کرنے!'' یہ کہہ کر لڑکے نے اپنی چادر، غصے اور حقارت سے میرے منہ پر چادر جھاڑ دی اور اینٹھتا برتا چلا گیا.....!

امام محمد اور امام یوسف سے ملاقات

اتفاق سے مسجد کے دروازے ہی پر لڑکے کو محمد بن حسنؒ اور ابو یوسفؒ مل گئے۔لڑکا ان سے کہنے لگا:'' آپ حضرات نے میری نماز میں کبھی کوئی خرابی دیکھی ہے۔'' اُنہوں نے جواب دیا''خدا یا، کبھی نہیں!'' لڑکا کہنے لگا:'' مگر ہماری مسجد میں ایک ایسا شخص بیٹھا ہے جس نے میری نماز پر اعتراض کیا ہے!'' دونوں اماموں نے کہا:'' تم اس شخص کے پاس جاؤ اور سوال کرو کہ نماز میں کس طرح داخل ہوتے ہو؟'' لڑکا لوٹ آیا اور مجھ سے کہنے لگا:'' اے وہ! جس نے میری نماز پر حرف گیری کی ہے، ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم نماز میں کس طرح داخل ہوتے ہو؟'' میں نے جواب دیا:'' دو فرض اور ایک سنت کے ساتھ نماز میں داخل ہوتا ہوں۔'' لڑکا یہ سن کر چلا گیا اور محمد بن قاسم اور ابو یوسف کو میرا جواب پہنچا دیا۔ اس پر وہ سمجھ گئے کہ جواب ایسے آدمی

www.KitaboSunnat.com

کا ہے جس کی علم پر نظر ہے مگر اُنہوں نے کہا: ''پھر جا کے پوچھو، وہ دونوں فرض کون ہیں اور سنت کیا ہے؟ لڑکے نے آ کر مجھ سے یہی سوال کیا: میں نے جواب دیا: ''پہلا فرض نیت ہے دوسرا فرض تکبیرۂ اِحرام ہے اور سنت دونوں ہاتھوں کا اُٹھانا ہے۔'' لڑکے نے میرا یہ جواب بھی دونوں صاحبوں کو سنا دیا۔

اب وہ مسجد میں داخل ہوئے، مجھے غور سے دیکھا اور میرا خیال ہے کہ حقیر ہی سمجھا۔ وہ ایک طرف بیٹھ گئے اور لڑکے سے کہا: ''جاؤ اور اس شخص سے کہو کہ مشائخ کے روبرو آئے۔'' پیغام سن کر میں سمجھ گیا کہ علمی مسائل میں میرا امتحان لیں گے۔ میں نے لڑکے کو جواب دیا:

''لوگ علم کے پاس آتے ہیں اور علم ان کے پاس نہیں جاتا۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ تمہارے مشائخ سے ملنے کی مجھے ضرورت ہی کیا ہے!''

میرا یہ جواب پاتے ہی محمد بن حسنؒ اور ابو یوسفؒ اُٹھ کھڑے ہوئے اور میری طرف بڑھے جب اُنہوں نے مجھے سلام کیا تو میں بھی اُٹھ کھڑا ہوگیا اور بشاشت ظاہر کی۔ وہ بیٹھ گئے میں بھی اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔ محمد بن حسن نے گفتگو شروع کی: کہنے لگے'' حرم کے رہنے والے ہو؟'' میں نے جواب دیا: جی ہاں! کہنے لگے: ''عرب ہو یا عجم کی اولاد؟'' میں نے کہا عرب ہوں۔ کہنے لگے: ''کون عرب ہو؟'' میں نے جواب دیا: مطلب کی اولاد سے ہوں۔ کہنے لگے مطلب کی کس اولاد سے؟ میں نے شافع کا نام لیا تو کہنے لگے: ''امام مالکؒ کو تم نے دیکھا ہے؟'' میں نے کہا کہ جی ہاں! امام مالکؒ ہی کے پاس سے آ رہا ہوں۔ کہنے لگے ''موطأ بھی دیکھی ہے؟'' میں نے کہا، موطأ کو دیکھنا کیا، حفظ بھی کر چکا ہوں!

محمد بن حسن کو یہ بات بڑی معلوم ہوئی، یقین نہ آیا اور اسی وقت لکھنے کا سامان طلب کیا اور ابوابِ فقہ کا ایک مسئلہ لکھا۔ ہر دو مسئلوں کے درمیان کافی جگہ خالی رکھی اور کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ''ان مسائل کا جواب موطأ سے لکھ دو۔'' میں نے کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور اجماعِ اُمت کے مطابق سب مسئلوں کے جواب لکھے اور کاغذ محمد بن حسن کے سامنے رکھ دیا۔ اُنہوں نے بغور میری تحریر پڑھی پھر مڑ کر غلام کو حکم دیا: ''اپنے آقا کو گھر لے جا!''

www.KitaboSunnat.com

امام محمد بن حسن شیبانی کے ساتھ

اس کے بعد محمد بن حسن نے مجھ سے کہا: غلام کے ساتھ جاؤ'' میں ذرا ہچکچایا اور بے تکلف اُٹھ کھڑا ہوا۔ مسجد کے دروازے پر پہنچا تو غلام نے کہا: مالک کا حکم ہے کہ آپ ان کے گھر سواری پر جائیں۔ میں نے جواب دیا: تو سواری حاضر کرلو۔ غلام نے ایک خوب سجا سجایا خچر میرے سامنے کھڑا کردیا، مگر جب میں سوار ہوا تو تن کے پرانے کپڑے جنھیں چیتھڑے کہنا چاہیے، نگاہوں میں بری طرح کھٹکے اور اپنی حالت پر افسوس ہوا۔ غلام، کوفے کے گلی کوچوں سے ہوتا ہوا محمد بن حسن کے گھر لایا۔ یہاں دروازوں پر، ڈیوڑھیوں پر نقش ونگار دیکھے اور اہل حجاز کی قابل رحم مفلسی بے اختیار یاد آ گئی۔ آنکھیں بہہ نکلیں اور میں کہہ پڑا:

''وائے حسرت! عراق والے تو اپنے گھر سونے چاندی سے آراستہ کریں اور حجاز کی مخلوق گھٹیا گوشت کھائے اور سوکھی گٹھلیاں چوستی رہے!''

میں رو رہا تھا کہ محمد بن حسن آ گئے، کہنے لگے: ''بندۂ خدا، یہ جو کچھ تمہاری آنکھیں دیکھ رہی ہیں، اس سے کوئی برا اثر نہ لینا، یہ سب حلال کمائی کا ہے، اور اس کی فرض زکوٰۃ میں کوتاہی کا خدا مجھ سے جواب نہیں طلب کرے گا۔ سالانہ پوری زکوٰۃ نکالتا ہوں۔ دوست دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور دشمنوں کے سینے پر سانپ لوٹتے ہیں!''

پھر محمد بن حسن نے ایک ہزار درہم کا قیمتی جوڑا مجھے پہنایا اور اپنے کتب خانے سے امام ابوحنیفہ کی تالیف الکتاب الأوسط نکال لائے۔ میں نے کتاب اُلٹ پلٹ کے دیکھی اور رات کو اسے یاد کرنا شروع کردیا۔ صبح ہونے سے پہلے ہی پوری کتاب حفظ تھی، مگر محمد بن حسن کو اس کی ذرا خبر نہ ہوئی.....!

محمد بن حسن کوفے میں سب سے بڑے مفتی تھے۔ ایک دن میں ان کے دائیں طرف بیٹھا تھا کہ ایک مسئلے کا فتویٰ پوچھا گیا۔ اُنہوں نے بتایا کہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ یہ کہا ہے۔ میں بول اُٹھا: '' آپ سے سہو ہوگیا ہے۔ اس مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کا قول وہ نہیں، یہ ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے اپنی کتاب میں اس مسئلے کا ذکر فلاں مسئلے کے نیچے اور فلاں مسئلے کے اوپر کیا ہے!'' محمد بن حسن نے فوراً کتاب منگوا کر دیکھی، تو میری بات بالکل ٹھیک نکلی۔ اُنہوں نے اسی وقت

www.KitaboSunnat.com

اپنے جواب سے رجوع کیا، لیکن اس واقعہ کے بعد اور کوئی کتاب مجھے نہ دی!

کچھ دن بعد میں نے سفر کی اجازت چاہی تو فرمانے لگے: ''میں اپنے کسی مہمان کو جانے کی اجازت نہیں دیتا۔'' پھر کہا: ''میرے پاس جو مال و دولت موجود ہے، اس میں سے آدھا تم لے لو!'' میں نے جواب دیا: ''یہ بات میرے مقاصد و اِرادے کے خلاف ہے۔ میری خوشی صرف سفر میں ہے۔'' اس پر اُنہوں نے اپنے صندوق کی سب نقدی منگائی۔ تین ہزار درہم نکلے۔ سب میرے حوالے کردیے اور میں نے بلادِ عراق و فارس کی سیاحت شروع کردی۔ لوگوں سے ملتا جلتا رہا، یہاں تک کہ میری عمر اکیس برس ہوگئی۔

خلیفہ ہارون الرشید سے ملاقات

پھر میں ہارون الرشید کے زمانے میں دوبارہ عراق آیا۔ بغداد کے پھاٹک میں قدم رکھا ہی تھا کہ ایک شخص نے مجھے روکا اور نرمی سے کہنے لگا: آپ کا نام؟ میں نے کہا: محمد۔ کہنے لگا، باپ کا نام؟ میں نے کہا: ادریس شافعی۔ کہنے لگا: آپ مُطلبی ہیں؟ میں نے اقرار کیا، تو جیب سے ایک تختی نکالی اور میرا بیان اس میں قلم بند کرکے مجھے چھوڑ دیا۔

میں ایک مسجد میں پہنچا اور سوچنے لگا، اس آدمی نے جو کچھ لکھا ہے، دیکھنا چاہیے۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟ آدھی رات کے بعد پولیس نے مسجد پر چھاپہ مارا اور ہر ہر آدمی کو روشنی میں دیکھنا شروع کیا۔ آخر میری باری آئی، اور پولیس نے پکار کر لوگوں سے کہا: ''ڈرنے کی بات نہیں، جس آدمی کی تلاش تھی، مل گیا ہے!'' پھر مجھ سے کہا: ''امیر المؤمنین کے حضور چلو!''

میں نے پس وپیش نہیں کیا اور فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور جب شاہی محل میں امیر المؤمنین پر میری نظر پڑی تو صاف مضبوط آواز میں اُنہیں سلام کیا: امیر المؤمنین کو میرا انداز پسند آیا۔ سلام کا جواب دیا اور فرمایا: تم کہتے ہو کہ ہاشمی ہو؟ میں نے جواب دیا: ''امیر المؤمنین! ہر دعویٰ کتاب اللہ میں باطل ہے!'' امیر المؤمنین نے میرا نسب پوچھا۔ میں نے بیان کردیا بلکہ آدم ؑ تک پہنچا دیا۔ اس پر امیر المؤمنین کہنے لگے: ''بے شک یہ فصاحت و بلاغت، اولادِ مطلب ہی کا حصہ ہے! بتاؤ کیا تم پسند کرو گے مسلمانوں کا قاضی بنا کر تمہیں اپنی سلطنت میں شریک کر لوں اور تم سنتِ رسول اللہ ﷺ اور اجماعِ اُمت کے مطابق اپنا اور میرا حکم چلایا کرو؟'' میں

www.KitaboSunnat.com

نے جواب دیا: سلطنت میں شرکت کے ساتھ صبح سے شام تک بھی قاضی بننا مجھے منظور نہیں!''
یہ سن کر امیر المؤمنین رو پڑے پھر فرمایا: ''دنیا کی اور کوئی چیز قبول کرو گے؟'' میں نے کہا: جو کچھ جلد مل جائے، قبول کروں گا۔'' اس پر خلیفہ نے ایک ہزار درہم کا حکم دیا اور یہ رقم مجھے رخصت ہونے سے پہلے ہی مل بھی گئی۔

واپسی پر خلیفہ کے غلام اور پیش خدمت دوڑ پڑے۔ مجھے گھیر لیا اور کہنے لگے: ''اپنے انعام میں سے ہمیں بھی کچھ دیجئے۔ مروّت نے اجازت نہ دی کہ خدا کا فضل مجھ پر ہوا تھا، اس میں دوسروں کو شریک نہ کروں۔ میں نے رقم کے برابر برابر اتنے حصے کیے، جتنے آدمی تھے۔ سب کو بانٹنے کے بعد مجھے بھی اتنا ہی ملا، جتنا ہر ایک کو میں نے دیا تھا.....!

'کتاب الزعفران' کی تالیف

میں پھر اسی مسجد میں لوٹ آیا جس میں اُترا تھا۔ صبح کو ایک نوجوان نے نماز کی امامت کی۔ اس کی قراءت تو اچھی تھی مگر علم کم تھا۔ نماز میں سہو ہوگیا، مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ میں نے کہا: بھائی! تم نے ہماری اور اپنی، سب کی نماز خراب کردی۔ نوجوان نے پھر سے نماز پڑھائی۔ اب میں نے اس سے کہا: کاغذ اور قلم دوات لے آؤ۔ میں تمہارے لئے باب السہو لکھ دوں، وہ فوراً سب سامان لے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرا ذہن کھول دیا اور میں نے کتاب وسنت اور اجماعِ اُمت کے مطابق ایک کتاب لکھ دی۔ کتاب کا نام اسی شخص کے نام پر 'کتاب الزعفران' رکھا۔ یہ کتاب چالیس جز میں پوری ہوئی ہے۔

اب مجھے تین برس اور ہو چکے تھے۔ ہارون الرشید نے اصرار کیا اور مجھے نجران کی زکوٰۃ کا تحصیل دار بنا دیا تھا۔ اسی اثنا میں حاجی حجاز سے لوٹے، میں ان سے امام مالکؒ اور اپنے وطن کے حالات معلوم کرنے چلا۔ ایک نوجوان دکھائی دیا۔ وہ اونٹ پر قبے میں بیٹھا تھا۔ میں نے اشارے سے سلام کیا۔ اس نے شتربان کو اونٹ روکنے کا حکم دیا اور مجھ سے مخاطب ہوگیا۔ میں نے امام مالکؒ اور حجاز کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔ کہنے لگا: سب ٹھیک ہے، میں نے امام مالکؒ کے بارے میں دوبارہ سوال کیا، کہنے لگا: ''تفصیل کروں یا مختصر جواب دوں؟'' میں نے

www.KitaboSunnat.com

کہا: اختصار ہی میں بلاغت ہوتی ہے۔ کہنے لگے: تو سنو''امام مالکؒ تندرست اور بہت دولت مند ہوگئے ہیں!'' یہ سن کر مجھے شوق ہوا کہ فقروفاقے میں تو دیکھ چکا ہوں، اب امام مالکؒ کو مال ودولت میں بھی دیکھنا چاہیے۔ میں نے نوجوان سے کہا: کیا تمہارے پاس اتنا روپیہ ہے کہ میرے سفر کی ضرورتیں پوری ہوجائیں؟'' اس نے جواب دیا:'' آپ کی جدائی، عراق والوں پر عام طور سے اور مجھ پر خاص طور سے بہت شاق ہوگی، مگر میرے پاس جو کچھ ہے، اسے اپنا ہی سمجھ کے لے لیجئے!'' میں نے کہا: سب مجھے دے دو گے، تو تم خود کس طرح زندگی بسر کروگے؟ کہنے لگے:'' اپنی حاجت واثر سے'' یہ کہہ کر اس نے مجھے بڑے غور سے دیکھا اور کہا:''سب نہیں لیتے تو جتنا چاہیے، لے لیجئے!'' میں نے ضرورت بھر لے لیا اور علاقہ ربیعہ کی راہ لی۔

حجام کی بدسلوکی

جمعہ کے دن میں حران پہنچا اور فضیلتِ غسل یاد آ گئی، حمام گیا، مگر جب پانی اُنڈیلا تو خیال آیا، سر کے بال چپک کر اُلجھ گئے ہیں۔ حجام کو طلب کیا۔ تھوڑے بال کاٹنے پایا تھا کہ حمام میں شہر کا کوئی امیر آدمی آ گیا اور حجام کو اس خدمت کے لئے یاد کیا گیا۔ حجام نے مجھے وہیں چھوڑ دیا اور امیر آدمی کے پاس دوڑ گیا۔ پھر جب اس سے چھٹی پائی تو میرے پاس واپس آیا۔ میں نے حجامت درست کرانے سے انکار کر دیا، مگر جب حمام سے جانے لگا تو میرے پاس جو دینار موجود تھے، ان میں سے اکثر حجام کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا: یہ لے لو، مگر خبردار! کبھی کسی پردیسی کو حقیر نہ سمجھنا!'' حجام نے بڑی حیرت سے مجھے دیکھا۔ فوراً حمام کے دروازے پر ایک بھیڑ لگی گئی اور لوگ مجھے ملامت کرنے لگے کہ اتنی بڑی رقم حجام کو کیوں دے دی!

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ شہر کا ایک اور امیر آدمی، حمام سے نکلا۔ اس کے سامنے سواری حاضر کی گئی، مگر میں بھیڑ کے سامنے تقریر کر رہا تھا، اس کے کان میں بھی پڑ گئی۔ سوار ہو چکا تھا، لیکن اُتر پڑا اور مجھ سے کہنے لگا:'' آپ شافعی ہیں؟'' میں نے اقرار کیا تو امیر آدمی نے سواری کی رکاب میرے قریب کر دی اور عاجزی سے کہنے لگا:'' برائے خدا، سوار ہوجایئے!'' میں

www.KitaboSunnat.com

سوار ہوگیا۔ غلام سر جھکائے آگے آگے چل رہا تھا، یہاں تک کہ امیر کا گھر آ گیا۔

امیر نے دولت پیش کردی

تھوڑی دیر میں خود امیر بھی آپہنچا اور بڑی سعادت ظاہر کی۔ پھر دستر خوان بچھ گیا اور ہمارے ہاتھ دھلائے گئے، مگر میں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ امیر کہنے لگا: کیوں کیا بات ہے؟ میں نے جواب دیا: کھانا مجھ پر حرام ہے، جب تک یہ نہ بتا دو کہ تم نے مجھے پہچانا کیسے؟ امیر نے کہا: ''بغداد میں آپ نے جو کتاب لکھ کر سنائی تھی، اس کے سننے والوں میں ایک میں بھی تھا، اس طرح آپ میرے اُستاد ہیں۔'' یہ سن کر میں نے کہا: علم دانشمندوں کا کبھی نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے۔ پھر میں نے ایسی خوش دلی سے کھانا کھایا کہ خدا جانتا ہے، اپنے جیسے اہل علم کے ساتھ کھانے ہی میں وہ خوشی نصیب ہوسکتی ہے!

میں تین دن اس شخص کا مہمان رہا۔ چوتھے دن اس نے کہا: ''حران کے اطراف میں میرے چار گاؤں موجود ہیں اور یہ گاؤں ایسے ہیں کہ پورے علاقے میں ان کی نظیر نہیں۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ آپ یہاں رہ جائیں، تو سب گاؤں آپ کی خدمت میں ہدیہ ہیں!'' میں نے جواب دیا: سب گاؤں مجھے دے دو گے تو خود تمہاری بسر کیسے ہوگی؟ کہنے لگا: ''آپ وہ صندوق دیکھتے ہیں (اور اس نے صندوقوں کی طرف اشارہ کیا)۔ ان میں چالیس ہزار درہم موجود ہیں، اس رقم سے میں کوئی تجارت کرلوں گا!'' میں نے کہا: لیکن خود مجھے یہ منظور نہیں۔ میں نے اپنا وطن محض تحصیل علم کے لئے چھوڑا ہے، نہ کہ دولت کمانے کے لئے! وہ کہنے لگا: یہ تو سچ ہے، مگر مسافر کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہی ہے، گاؤں نہ سہی، نقد ہی قبول کر لیجئے!''

اس پر میں نے چالیس ہزار کی وہ پوری رقم لے لی۔ اسے خدا حافظ کہا اور حران سے اس حال میں روانہ ہوا کہ آگے پیچھے اونٹ لدے جا رہے تھے۔ رستے میں اصحابِ حدیث ملے، ان میں امام احمد بن حنبل، سفیان بن عیینہ اور اوزاعی بھی تھے۔ میں نے ہر ایک کو اس قدر دیا، جتنا اس کے مقدر میں تھا۔

www.KitaboSunnat.com

امام مالکؒ کی امارت

جب میں شہر رملہ پہنچا تو میرے پاس اس چالیس ہزار میں سے صرف دس دینار باقی تھے۔ میں نے کرائے پر سواری لی اور حجاز کو روانہ ہوگیا۔ منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا آخر ستائیسویں دن نبی ﷺ کے شہر (مدینہ) پہنچ گیا۔ نمازِ عصر کے بعد میرا داخلہ ہوا تھا۔ مسجد میں نماز پڑھی۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ لوہے کی ایک کرسی مسجد میں رکھی ہے۔ کرسی پر بیش بہا قباطی مصر کا تکیہ جما ہوا ہے اور تکیے پر لکھا ہے: " لا إله إلا الله محمد رسو ل الله"!

میں ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ مالکؒ بن انس باب النبی ﷺ سے آتے دکھائی دیئے۔ پوری مسجد عطر سے مہک اُٹھی۔ امام مالکؒ کے ساتھ چار سو یا اس سے بھی زیادہ کا مجمع تھا۔ چار آدمی ان کے جبے کے دامن اُٹھائے چل رہے تھے۔ امام مالکؒ اپنی مجلس پر پہنچے تو بیٹھے ہوئے سب آدمی کھڑے ہوگئے۔

امام مالک کرسی پر بیٹھ گئے اور جراحِ عمد کا ایک مسئلہ پیش کیا۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے قریب کے آدمی کے کان میں کہا: اس مسئلے کا یہ جواب ہے۔ اس شخص نے میرا بتایا ہوا جواب اونچی آواز سے سنا دیا، مگر امام مالکؒ نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی اور شاگردوں سے جواب کے طالب ہوئے۔ شاگردوں کے سب جواب غلط تھے۔ امام مالک نے کہا: تم غلطی پر ہو۔ پہلے ہی آدمی کا جواب صحیح ہے! یہ سن کر وہ جاہل بہت خوش ہوا کہ امام مالک نے دوسرا مسئلہ پیش کیا۔ جاہل میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے پھر جواب بتا دیا۔ اس دفعہ بھی امام مالک کے شاگرد صحیح جواب نہ دے سکے اور اس جاہل کی زبانی میرا ہی جواب ٹھیک نکلا!

تب تیسرے مسئلے پر بھی یہی صورت پیش آئی تو امام مالکؒ اس جاہل کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: یہاں آؤ وہ جگہ تمہاری نہیں ہے!'' آدمی، امام مالکؒ کے پاس پہنچا، تو اُنہوں نے سوال کیا: '' تم نے موطأ پڑھی ہے؟'' جاہل نے جواب دیا: نہیں۔ امام مالک نے پوچھا: '' ابن جریج کے علم پر تمہاری نظر ہے؟'' اس نے پھر کہا: نہیں۔ امام مالک نے پوچھا: جعفر بن محمد صادق سے ملے ہو۔ کہنے لگا: نہیں اب تو امام مالکؒ کو تعجب ہوا۔ کہنے لگے: '' پھر یہ علم تمہیں

www.KitaboSunnat.com

کہاں سے ملا۔'' جاہل نے جواب دیا:'' میری بغل میں ایک نوجوان بیٹھا تھا اور وہی مجھے ہر مسئلے کا جواب بتا رہا تھا!''

اب تو امام مالک نے میری طرف گردن پھیری دوسروں کی گردنیں بھی اُٹھ گئیں اور امام مالک نے اس جاہل سے کہا: جاؤ اور نوجوان کو میرے پاس بھیج دو۔'' میں امام مالک کے پاس پہنچا اور اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے جاہل اٹھا تھا۔ وہ بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا ''شافعی ہو؟'' میں نے عرض کیا، جی ہاں شافعی ہوں! امام مالک نے مجھے گھسیٹ کر سینے سے لگایا۔ پھر کرسی سے اُتر پڑے اور کہا:'' علم کا جو باب ہم شروع کر چکے ہیں، تم اسے پورا کرو۔'' میں نے حکم کی تعمیل کی اور جراحِ عمد کے چار سو مسئلے پیش کئے، مگر کوئی بھی جواب نہ دے سکا!

امام مالک کی سیر چشمی

اب سورج ڈوب ہو چکا تھا، ہم نے مغرب کی نماز پڑھی اور امام مالک نے میری طرف پیٹھ ٹھونکی۔ پھر اپنے گھر لے گئے، پرانے کھنڈر کی جگہ اب نئی عمارت کھڑی تھی۔ میں بے اختیار رونے لگا۔ یہ دیکھ کر امام مالک نے کہا:'' ابوعبداللہ! تم روتے کیوں ہو؟ شاید سمجھ رہے ہو کہ میں نے دنیا کے چلتے آخرت تج دی ہے!'' میں نے جواب دیا:'' جی ہاں یہی اندیشہ دل میں پیدا ہوا تھا۔'' کہنے لگے:'' تمہارا دل مطمئن رہے! تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں! یہ کچھ جو دیکھ رہے ہو ہدیہ ہے خراسان سے، مصر سے، دنیا کے دور دور گوشوں سے ہدیوں پر ہدیے چلے آرہے ہیں۔ نبی ﷺ ہدیہ قبول فرما لیتے تھے اور صدقہ ردّ کر دیتے تھے۔ میرے پاس اس وقت خراسان اور مصر کے اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑوں کے تین سو خلعت موجود ہیں۔ غلام بھی اتنے ہی ہیں اور معاملہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ اب یہ سب میری طرف سے تمہارے لئے ہدیہ ہے! صندوقوں میں پانچ ہزار دینار رکھے ہیں، اس کی سالانہ زکوٰۃ نکالتا ہوں۔ اس میں سے بھی آدھی رقم تمہاری ہے!''

میں نے کہا:'' دیکھئے، آپ کے بھی وارث موجود ہیں اور میرے بھی وارث زندہ ہیں۔ آپ نے جو کچھ دینے کا وعدہ کیا ہے، اس کی تحریر ہو جانا چاہئے۔ تحریر سے میری ملکیت مسلم

www.KitaboSunnat.com

ہوجائے گی۔ اگر میں مرگیا تو اس سب کو آپ کے وارث نہ لے سکیں گے بلکہ میرے وارثوں کو مل جائے گا۔ اسی طرح خدانخواستہ آپ کی وفات ہوگئی، تو بھی یہ آپ کی وارثوں کا نہیں، میرا ہوجائے گا!''

یہ سن کر امام مالک مسکرائے اور فرمایا: یہاں بھی علم ہی سے کام لیتے ہو؟ میں نے جواب دیا: علم کے استعمال کا اس سے بہتر موقعہ اور کیا ہوسکتا ہے! امام مالک نے رات ہی میں تحریر مکمل کردی۔

امام مالکؒ کا تقویٰ

صبح میں نے نماز جماعت سے پڑھی اور مسجد سے ہم اس حال سے گھر لوٹے کہ میرا ہاتھ امام مالکؒ کے ہاتھ میں تھا اور امام مالکؒ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں۔ دروازے پر کیا دیکھتا ہوں کہ خراسانی گھوڑے اور مصری خچر کھڑے ہیں، گھوڑوں کی کونچیں، کیا بتاؤں کیسی حسین تھیں کہ میرے منہ سے نکل گیا: ''ایسے خوبصورت پاؤں تو میں نے کبھی دیکھے نہیں!'' امام مالکؒ نے فوراً جواب دیا: ''یہ سب سواریاں بھی تمہارے لئے ہدیہ ہیں!'' میں نے عرض کیا: ''کم سے کم ایک جانور تو اپنے لئے رہنے دیجئے۔ اس پر امام مالکؒ نے جواب دیا'' مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ اس زمین کو میری سواری اپنی ٹاپوں سے روندے جس کے نیچے نبی ﷺ آرام فرما رہے ہیں!'' یہ سن کر مجھے یقین ہوگیا کہ دولت کی اس بہتات میں بھی امام مالک کا تقویٰ بدستور باقی ہے!

وطن کو واپسی

تین دن امام مالکؒ کے گھر قیام رہا۔ پھر میں مکہ کو روانہ ہوگیا، مگر اس حال سے کہ خدا کی بخشی ہوئی خیر وبرکت اور مال ومتاع سے بوجھ آگے آگے جارہے تھے۔ میں نے ایک آدمی پہلے سے مکے بھیج دیا تھا کہ واپسی کی خبر پہنچا دے۔ اسی لئے جب حدودِ حرم پر پہنچا تو بوڑھی والدہ کچھ عورتوں کے ساتھ دکھائی دیں۔ والدہ نے مجھے گلے لگایا۔ پھر ایک اور بڑھیا نے یہی کہا۔ میں اس بی بی سے مانوس تھا اور اسے خالہ کہا کرتا تھا۔ بڑھیا نے مجھے چمٹاتے ہوئے یہ

www.KitaboSunnat.com

شعر پڑھا:

ما أملك اجتاحت المنايا كــل فــؤاد عليــك أمّ

''موت تیری ماں کو بہا نہیں لے گئی۔ مامتا میں ہر دل تیرے لئے ماں ہی ہے''

یہ پہلا بول تھا جو مکے کی سرزمین پر میرے کانوں نے سنا۔ پھر میں نے آگے بڑھنا چاہا مگر والدہ کہنے لگیں: ''کہاں؟'' میں نے کہا: گھر چلیں۔ والدہ نے جواب دیا: ''ہیہات! کل تو مکے سے فقیر کی صورت گیا تھا اور آج امیر بن کے لوٹا ہے۔ تاکہ اپنے چچیرے بھائیوں پر گھمنڈ کرے!'' میں نے کہا: پھر آپ ہی بتائیں کیا کروں؟ کہنے لگیں: ''منادی کر دے کہ بھوکے آئیں اور کھائیں، پیدل آئیں اور سواری لے جائیں! ننگے آئیں اور کپڑا پہن جائیں! اس طرح دنیا میں بھی تیری آبرو بڑھے گی اور آخرت کا ثواب اپنی جگہ رہے گا!''

میں نے اماں کے حکم پر عمل کیا، اس واقعہ کی شہرت دور دور پھیلی۔ امام مالک نے بھی سنا اور میری ہمت افزائی کی، کہلا بھیجا ''جتنا دے چکا ہوں، اتنا ہی ہر سال تمہیں بھیجتا رہوں گا!''

مکے میں میرا داخلہ اس حال میں ہوا کہ ایک خچر اور پچاس دینار کے سوا اس دولت میں سے میرے پاس کچھ باقی نہ تھا جو ساتھ آئی تھی۔ راہ میں اتفاق سے کوڑا میرے ہاتھ سے گر پڑا۔ ایک کنیز نے جس کی پیٹھ پر مشک تھی، لپک کے اُٹھا لیا اور میری طرف بڑھایا۔ میں نے اس کے لئے پانچ دینار نکالے۔ یہ دیکھ کر والدہ نے کہا ''یہ تو کیا کر رہا ہے؟'' میں نے کہا: ''عورت کو انعام دینا چاہتا ہوں۔ ماں نے کہا: ''جو کچھ تیرے پاس ہے، سب دے دے!''

میں نے یہی کیا اور مکے میں پہلی رات بسر کرنے سے پہلے ہی میں مقروض ہو گیا۔'' لیکن امام مالکؒ میرے پاس وہ سب بھیجتے رہے جو مدینے میں اُنہوں نے مجھے دیا تھا۔ گیارہ برس یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر جب امام مالک کا انتقال ہو گیا تو حجاز کی سرزمین مجھ پر تنگ ہوگئی اور میں مصر چلا آیا۔ یہاں خدا نے عبداللہ بن حکم کو میرے لئے کھڑا کر دیا اور وہ میری تمام ضرورتوں کے کفیل ہو گئے۔

یہ ہے سب میرے سفر کی روداد، اے ربیع تو اسے اچھی طرح سمجھ......!

(' جامع بیان العلم وفضلہ' مترجم: مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی: صفحہ ۲۶۴ تا ۲۷۹ طبع ادارۂ اسلامیات، لاہور)

www.KitaboSunnat.com

تبصرہ وتعارف

محمد رفیق چودھری

جاوید غامدی کی کتاب 'میزان' پر تبصرہ

نام کتاب: میزان ◉ صفحات: ۶۵۸ ◉ قیمت: ۲۴۰ روپے

ناشر: المورد، ۱۵/کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور پاکستان

زیرنظر کتاب دین اسلام سے متعلق ہے۔ خود مصنف اس کے 'دیباچہ' میں جو ۱۰/اپریل ۱۹۹۰ء کا لکھا ہوا ہے، تحریر فرماتے ہیں کہ

''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ کم وبیش ربع صدی کے مطالعہ وتحقیق سے میں نے اس دین کو جو کچھ سمجھا ہے، وہ اپنی اس کتاب میں بیان کردیا ہے۔'' (ص:۱۱)

پھر آخر میں کتاب کے 'خاتمہ' کے عنوان سے جو ۲۷/اپریل ۲۰۰۷ء کا تحریر شدہ ہے، مصنف موصوف لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کا جو کام میں نے ۱۹۹۰ء بمطابق ۱۴۱۰ھ میں کسی وقت شروع کیا تھا، وہ آج سترہ سال بعد پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ یہ اُس پورے دین کا بیان ہے جو خدا کے آخری پیغمبر محمد ﷺ کی وساطت سے انسانیت کو دیا گیا۔'' (ص:۶۵۳)

اِس طرح بقول مصنف یہ کتاب سترہ برس (۱۹۹۰ء تا ۲۰۰۷ء) میں لکھی گئی ہے۔ یہ اوسطاً ۴۰ صفحات سالانہ کی شرح بنتی ہے۔ اِس سے قبل اُنہوں نے ربع صدی یعنی ۲۵ سال کا عرصہ دین اسلام کے مطالعہ وتحقیق میں گزارا۔ مصنف موصوف ۱۹۵۳ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے ہیں۔ اِس حساب سے دیکھا جائے تو اگر کتاب کی ابتدا کے سال (۱۹۹۰ء) سے پہلے دین اسلام کا مطالعہ وتحقیق کی مدت ربع صدی یعنی ۲۵ سال نکالے جائیں تو یہ ۱۹۶۵ء کا سال بنتا ہے اور جب سنِ پیدائش ۱۹۵۳ء ہے تو پھر مصنف کی عمر صرف بارہ سال باقی بچتی ہے۔ گویا مصنف موصوف نے دین اسلام کے مطالعہ وتحقیق کا کام ۱۲ سال ہی کی عمر میں شروع کردیا تھا۔ اب یہ اہل نظر کے سوچنے کا کام ہے کہ ۱۲ سال کا ایک مکتبی بچہ (School

www.KitaboSunnat.com

(Going Child) دین اسلام کے مطالعہ وتحقیق کا کتنا اہل ہوسکتا ہے؟ ویسے مصنف موصوف سے تو یہ بھی بعید نہ تھا اگر وہ یہ دعویٰ کردیتے کہ حالتِ جنینی میں بھی اُن کا زیادہ وقت دین اسلام ہی کے مطالعہ وتحقیق میں بسر ہوتا تھا، کیونکہ اگر دنیا میں کوئی مادرزاد ولی اللہ ہوسکتا ہے تو کیا مادرزاد عالم دین نہیں ہوسکتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

کتاب کے مندرجات

سب سے پہلے ایک مختصر 'دیباچہ' ہے۔ پھر 'اُصول ومبادی' کا عنوان ہے جس کے تحت تین مضامین: مبادیٔ تدبرِ قرآن، مبادیٔ تدبرِ سنت اور مبادیٔ تدبرِ حدیث لکھے گئے ہیں۔ اس کے بعد کتاب کے پہلے حصے کا آغاز الحکمۃ کے عنوان سے ہوتا ہے اور اس میں 'ایمانیات' اور 'اخلاقیات' پر الگ الگ بحث کی گئی ہے۔ کتاب کا دوسرا حصہ الکتاب کہلاتا ہے اور اس کے تحت قانونِ عبادات، قانونِ معاشرت، قانونِ سیاست، قانونِ معیشت، قانونِ دعوت، قانونِ جہاد، حدود وتعزیرات، خورد ونوش، رسوم وآداب اور قسم اور کفارۂ قسم پر تفصیلی بحثیں موجود ہیں۔ آخر میں 'خاتمہ' کے عنوان سے دو صفحے لکھے گئے ہیں اور 'کتابیات' کی فہرست دی گئی ہے۔

مصنف موصوف کا تصورِ دین

مصنف نے اپنے تصورِ دین کی وضاحت میں قرآنِ مجید کی آیات سے استشہاد کیا ہے۔ بائبل اور قدیم صحائف کے حوالے دیے ہیں، احادیث اور بعض تاریخی شواہد پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے اپنے موقف کے حق میں اپنے استاذ مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر 'تدبر قرآن' سے سینکڑوں کی تعداد میں حوالہ جات درج کیے ہیں۔

لیکن اس کتاب کے مشمولات کی ترتیب کے حوالے سے بعض چیزیں کھٹکتی ہیں۔

مثال کے طور پر:

① 'ایمانیات' سے بھی پہلے قرآن وسنت اور حدیث پر غوروتدبر کرنے اور اُن کو سمجھنے کے اُصول ومبادی دیے گئے ہیں حالانکہ ایمان لانے سے قبل کسی شخص کے لیے ایسے فنی اور مشکل اُمور سے واقف ہونا ضروری نہیں۔

② 'اخلاقیات' کے باب میں سورۂ احزاب کی آیات ۳۳ تا ۳۵ کا حوالہ دیتے ہوئے یہ دعویٰ

www.KitaboSunnat.com

کیا گیا ہے کہ قرآن میں صرف یہی دس اعلیٰ انسانی اوصاف یعنی اسلام، ایمان، قنوت، صدق، صبر، خشوع، روزہ، حفظِ فروج اور ذکرِ کثیر بیان ہوئے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں ان اوصاف کے علاوہ اور بھی بہت سے اعلیٰ اوصاف مذکور ہوئے ہیں جیسے تقویٰ، توکل، احسان اور عدل وانصاف (القِسط) وغیرہ۔

③ قانون عبادات میں جہاں طہارت سے متعلق مسائل مثلاً جنابت، حیض و نفاس اور وضو وغسل کا ذکر ملتا ہے وہاں پاک اور ناپاک پانی کے مسائل بیان نہیں کیے گئے۔

④ ایمانیات کے بعد عبادات کا ذکر مناسب تھا، کیونکہ دین اسلام میں ایمان لانے کے بعد سب سے پہلا حکم نماز ہی کا ہے جیسا کہ خود اس کتاب کے صفحہ ۴۸۹ پر لکھا ہے مگر اسی کتاب میں ایمانیات کے بعد اخلاقیات کا ذکر ملتا ہے اور اس کے بعد عبادات کی باری آئی ہے۔

⑤ قانونِ معاشرت میں جہاں طلاق اور اس کی بعض اقسام جیسے اِیلاء اور ظہار کو بیان کیا گیا ہے، وہاں خلع کا ذکر نہیں ہے۔

⑥ 'خورد ونوش' کی چیزوں کے عنوان کو قانونِ معیشت میں ذکر کرنے کی بجائے اسے آخر میں نجانے الگ کیوں بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ ہبہ اور وقف کے مسائل نہ تو قانونِ معیشت میں بیان ہوئے ہیں اور نہ الگ کہیں ان کا ذکر ملتا ہے۔

⑦ کتاب میں اسلامی احکامات وتعلیمات کو جابجا 'قوانین' کے نام سے پیش کیا گیا ہے جیسے قانونِ عبادات وغیرہ۔ حالانکہ قانون اسے کہتے ہیں جس میں جرم اور سزا کا ذکر ہو۔ لیکن قریباً ۱۵۰ صفحات پر پھیلے ہوئے 'قانونِ عبادات' کے باب میں کہیں بھی جرم وسزا کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ ویسے بھی 'عبادت' کا حکم تو سمجھ میں آتا ہے مگر 'عبادت کا قانون' ناقابل فہم چیز ہے۔ شاید مصنف موصوف کے ذہن میں یہ بات ہو کہ جس طرح دنیا میں قوانین آئے دن بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح اسلام کے بنیادی احکام بھی موم کی ناک ہے جسے کسی وقت بھی کسی طرف موڑا اور بدلا جاسکتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

دین کی غلط تعبیر

اس کتاب میں جو دین پیش کیا گیا ہے اور جو شریعت متعارف کرائی گئی ہے، وہ حقیقی دین اسلام اور اسلامی شریعت کے بالکل خلاف ہے۔اس میں دوسرے متجد دین کی طرح اسلام کی ایسی تشکیل نو (Reconstruction) کی گئی ہے کہ وہ فی الواقع مغربی تہذیب کا چربہ معلوم ہوتا ہے۔اس کے نتیجے میں ایک نئی جعلی شریعت گھڑ لی گئی ہے اور اسلام کا ایک لبرل اور روشن خیالی ایڈیشن تیار کرلیا گیا ہے جو مغرب کے لیے بھی قابل قبول ہے اور ہمارے مغرب نواز حکمرانوں کے دل کی آواز ہے۔اب اس نئے اسلام اور نئی شریعت کی چند جھلکیاں دیکھئے:

① کتاب وسنت (اور اجماع وقیاس) کو شریعت کے ماخذ ومصادر ماننے کی بجائے منسوخ اور تحریف شدہ بائبل، قدیم صحائف اور فطرت (Nature) کو بھی شریعت کے ماخذ ومصادر قرار دیا گیا ہے۔(ص۴۵، ۴۷)

② مسلمہ دینی اصطلاحات کا مفہوم بدل دیا گیا ہے۔کتاب سے مراد قرآنِ مجید ہی نہیں بلکہ اس سے توریت، زبور، انجیل اور تمام قدیم الہامی کتب وصحائف کا سلسلہ مراد ہے۔

(ص۴۳، ۴۴، ۴۵، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳)

سنت سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال یا تقریرات نہیں ہے بلکہ اس سے مراد دین ابراہیمی کی روایت ہے۔(ص۱۴، ۴۶)

③ قرآنِ مجید کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے، باقی سب قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔

(ص۲۹، ۳۲)

④ سنت قرآن سے مقدم ہے۔(ص۴۷)

⑤ سنت صرف ستائیس (۲۷) اعمال کا نام ہے۔(ص۱۴)

⑥ قرآن کی طرح سنت کے ثبوت کیلئے بھی اجماع اور عملی تواتر کا ہونا شرط ہے۔(ص۱۴)

⑦ حدیث سے کوئی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔(ص۱۵، ۶۱)

⑧ معروف اور منکر کا تعین اسلامی شریعت نہیں کرتی بلکہ انسانی فطرت کرتی ہے۔

(ص۴۵، ۲۰۲، ۲۰۳)

www.KitaboSunnat.com

⑨ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔ (ص۶۱۱)

⑩ شادی شدہ زانی کے لیے بھی کنوارے زانی کی طرح صرف ۱۰۰ کوڑوں کی سزا ہے۔ اس کے لیے رجم یا سنگساری کی حد نہیں ہے۔ (ص۶۲۴)

⑪ آخرت میں حضرت محمد ﷺ کے لیے شفاعتِ کبریٰ ثابت نہیں ہے۔ (ص۱۴۶تا۱۴۹)

⑫ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں وہ قربِ قیامت میں دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔ (ص۱۷۸)

⑬ کئی نبیوں کو قتل کر دیا گیا تھا، مگر کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا۔ (ص۴۸، ۵۳۵، ۵۴۵)

⑭ کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔ (ص۳۹)

⑮ 'مشرکین' صرف عرب کے بُت پرست لوگ تھے، ان کے بعد دنیا میں کوئی مشرک نہیں۔ (ص۶۰۱)

⑯ شریعت میں کھانے کی صرف چار چیزیں حرام ہیں۔ (ص۳۶، ۶۳۳)

⑰ کافروں کے خلاف جہاد و قتال کا شرعی حکم اب باقی نہیں ہے۔ (ص۴۹۳، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۹۷، ۶۰۱)

⑱ باجماعت نماز میں امام کی غلطی پر عورتیں بھی بلند آواز سے 'سبحان اللہ' کہہ سکتی ہیں۔ (ص۳۲۵)

⑲ نماز کی حالت میں عربی دعاؤں کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی تسبیح اور دُعا کی جاسکتی ہے۔ (ص۲۹۳)

⑳ حج اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر کی جانے والی قربانی نفلی عبادت ہے۔ یہ فرض یا واجب نہیں ہے۔ (ص۲۰۴)

ان مثالوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ مذکورہ کتاب میں دین اسلام اور اسلامی شریعت کی غلط تعبیر کی گئی ہے۔ مصنف موصوف نے دین، کتاب، قرآن، حدیث، سنت اور شریعت کے نام سے غیر اسلامی عقائد ونظریات پیش کیے ہیں۔ اُنہوں نے بہت سے اسلامی مسلمات اور قطعی اجمالی اُمور کا انکار کرڈالا ہے۔ اس طرح اُنہوں نے درج ذیل آیت کی رُو سے 'غیر سبیل

www.KitaboSunnat.com

المؤمنین' کا راستہ اختیار کرلیا ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء:۱۱۵)

''جو شخص ہدایت واضح ہوجانے کے بعد رسول ﷺ کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے پر چلے تو ایسے شخص کو ہم اُسی طرف پھیر دیں گے، جدھر وہ خود پھر گیا اور پھر اسے جہنم میں داخل کریں گے جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔''

عربیت کا رُعب جمانا

مصنف موصوف نے اس کتاب کے ذریعے اپنی 'عربی دانی' کا بھی خوب مظاہرہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ

سورۂ انعام (۶) میں ایک آیت اس طرح آئی ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾

''اور کوئی جانور نہیں جو زمین پر اپنے پاؤں سے چلتا ہو اور کوئی پرندہ نہیں جو فضا میں اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑتا ہو، مگر یہ سب تمہاری ہی طرح اُمتیں ہیں۔''

اس میں دیکھ لیجیے، مقابل کے بعض الفاظ حذف ہوگئے ہیں۔ مثلاً جملے کے پہلے حصے میں فی الارض ہے تو دوسرے حصے میں فی السماء کا لفظ نہیں آیا۔ اسی طرح دوسرے حصے میں یطیر بجناحیه کے الفاظ ہیں تو پہلے حصے میں تدب علی رجلیها یا ارجلها کے الفاظ حذف ہوگئے ہیں۔''

یہاں پر مصنف موصوف نے جو تدبّ علی رجلیها یا ارجلها حذف مانا ہے تو ان کو قرآن مجید کی درج ذیل آیت پیش نظر رکھ کر محذوفات نکالنے چاہئے تھے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (النور:۴۵)

''اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر ان میں سے کوئی پیٹ کے بل چلتا ہے، کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے اور کوئی چار پیروں پر چلتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے۔ بے شک

www.KitaboSunnat.com

اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

عربیت کی دھونس جمانے سے پہلے کتاب کے مصنف کو آیت کے فقرے فمنهم من يمشي على بطنه پر غور کر لینا چاہیے تھا۔ ویسے مذکورہ آیت میں دآبۃ کے آگے محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہے، کسی معروف مفسر نے یہاں محذوف نہیں مانا۔

کتاب میں تضادات

اس کتاب کے مطالعہ سے اس کے بعض تضادات بھی سامنے آئے ہیں، مثال کے طور پر:

۱۔ قربانی کو ص۴۰۵ پر قانون، ص۴۰۴ پر نفل اور ص۶۴۹ پر سنت قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ امام ابن شہاب زہریؒ کو پہلے غیر ثقہ اور ناقابل اعتبار راوی ٹھہرایا گیا ہے۔ (ص۳۱) اور پھر آگے چل کر اُن کی روایت کردہ احادیث پر اعتماد کیا گیا ہے۔ (ص۵۲۵ پر صحیح بخاری کی حدیث ۶۷۶۴، پھر ص۶۵۱ پر سنن ابوداؤد کی حدیث ۳۲۹۰)

۳۔ ص۲۳ پر ہے کہ قرآن ہر چیز پر مقدم ہے اور ص۴۷ پر سنت قرآن سے مقدم ہوگئی ہے۔

۴۔ ص۳۳ پر ہے کہ یہ غلط ہے کہ ہم متشابہات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں اور پھر ص۱۸۰ پر ہے کہ متشابہات اُمور کے بارے میں ہم اصل حقیقت کو نہیں جان سکتے۔

کتاب کا اندازِ بیان

زیر نظر کتاب 'میزان' میں اگرچہ بہت ڈنڈی ماری گئی ہے تاہم یہ عام اُردو زبان میں نہیں لکھی گئی بلکہ اُردوئے مُعلّٰی میں لکھی گئی ہے۔ ہمارے علماے کرام کو بھی ایسی ہی اُردو زبان سیکھنی چاہیے۔

اس کتاب کا مصنف بہت ذہین، شاطر اور وسیع المطالعہ آدمی ہے۔ اس کی قادر الکلامی، زبان دانی، بیان کی روانی اور الفاظ کی مینا کاری وگُل کاری (Flowery) کی داد دینی پڑتی ہے۔ چند ایک اقتباسات ملاحظہ ہوں:

ایک مقام پر لکھا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ اپنے اُسلوب کے لحاظ سے قرآن ایک بالکل ہی منفرد کتاب ہے۔ اس میں دریاؤں کی روانی ہے، سمندروں کا زور ہے، حسنِ استدلال کی ندرتیں ہیں، ربطِ معنی کی

www.KitaboSunnat.com

ادائیں ہیں، مثالیں ہیں، قصے ہیں۔ کلام میں اپنے مرکز کی طرف بار بار کا رجوع ہے، تہدید و زجر اور عتاب کے گوناگوں اسالیب ہیں، افسوس ہے، حسرت ہے، شدتِ یقین ہے، گریز کی مختلف صورتیں اور اعراض کے مختلف انداز ہیں۔ اس میں محبت و التفات کے موقعوں پر، ایں چیست کہ چوں شبنم بر سینۂ من ریزی کی کیفیت ہے اور غضب کے موقعوں پر، دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں، وہ طوفان کا سمان ہے۔ خطاب کے وہ عجائب تصرفات ہیں کہ آدمی اُن میں بالکل کھو کر رہ جاتا ہے۔'' (ص۲۲)

ایک اور جگہ ہے کہ

''اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جو جانور پیدا کیے ہیں، اُن میں سے بعض کھانے کے ہیں اور بعض کھانے کے نہیں ہیں۔ یہ دوسری قسم کے جانور اگر کھائے جائیں تو اس کا اثر چونکہ انسان کے تزکیہ پر پڑتا ہے، اس لیے ان سے اِبا اُس کی فطرت میں داخل ہے۔ انسان کی یہ فطرت بالعموم اُس کی صحیح رہنمائی کرتی اور وہ بغیر کسی تردّد کے فیصلہ کر لیتا ہے کہ اُسے کیا کھانا چاہیے اور کیا نہیں کھانا چاہیے۔ اُسے معلوم ہے کہ شیر، چیتے، ہاتھی، کوے، گدھ، عقاب، سانپ، بچھو اور خود انسان کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ گھوڑے، گدھے، دسترخوان کی لذت کے لیے نہیں، سواری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان جانوروں کے بول و براز کی نجاست سے بھی وہ پوری طرح واقف ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اُس کی یہ فطرت کبھی کبھی مسخ بھی ہوجاتی ہے، لیکن دنیا میں انسانوں کی عادات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اُن کی ایک بڑی تعداد اس معاملے میں بالعموم غلطی نہیں کرتی۔'' (ص۳۸)

مصنف موصوف حق و باطل میں تلبیس و آمیزش کا اور ایک ہی بات کی کئی تاویلیں کر لینے کا اتنا ماہر ہے کہ اچھے بھلے معقول لوگ بھی اس کے اس ہنر کے آگے پانی بھرتے اور دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت آپ کو 'غامدی صاحب، علماء کے نظر میں' نامی کتاب کے مطالعے سے مل سکتا ہے۔ جس میں موصوف نے تین نو آموز مفتیانِ کرام کو خوب بیوقوف بنایا ہے۔ اس کے علاوہ آپ اُوپر کے دوسرے اقتباس کا بغور مطالعہ کر کے دیکھیں جس میں اُس نے 'اونٹ' کو کس خوبصورتی سے سیاقِ کلام سے نکال کر اور اپنی خطابت کا جوہر دکھا کر ایک غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ

''وہ جانتا ہے کہ گھوڑے، گدھے، دسترخوان کی لذت کے لیے نہیں، سواری کے لیے پیدا کیے

www.KitaboSunnat.com

گئے ہیں۔''

حالانکہ اونٹ سواری کا جانور بھی ہے، حلال بھی ہے اور اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور وہ انسانی فطرت کے خلاف بھی نہیں ہے۔

کتاب کا باتصویر ٹائٹل

اس معرکۃ الآرا دینی کتاب کے ٹائٹل پر مصنف موصوف کی نہایت خوبصورت تصویر بھی چھپی ہے جو اِس کے حسن کو دوبالا کردیتی ہے۔ اس طرح یہ کتاب اپنی صوری اور معنوی اعتبار سے ایک لاجواب شاہکار بن گئی ہے۔ البتہ مذکورہ بالا تصویر ایسی ہے جو زبانِ حال سے کہہ رہی ہے۔ ع

صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں!

کیونکہ یہ فقط اُن کے سر، چہرے اور گردن پر مشتمل ہے اور ان کی گردن کے عین نیچے کی طرف، صرف ایک انچ کے فاصلے پر 'صلیب' (Cross) کا نشان بھی بالکل نمایاں طور پر نظر آتا ہے جو اصل میں شاید خطاط صاحب کے فن کا کمال ہے مگر وہ ایسا منظر پیش کرتا ہے کہ ع

مقام، فیضؔ کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوے یار سے نکلے تو سوے دار چلے

اس کے علاوہ صلیب کی یہ علامت اسلام اور مغربی تہذیب کے اس ملغوبے کو بھی ظاہر کرتی ہے جو اس کتاب کا طرۂ امتیاز اور اس کی اصل روح ہے اور یہ کہ اس کتاب میں پیش کیا ہوا دینِ اسلام اندر سے عیسائیت ہے۔

بہرحال اتنے اچھے کاغذ پر اس قدر ضخیم اور مجلد کتاب کی قیمت انتہائی مناسب ہے۔ اہل علم کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

سانحہ ارتحال: مولانا محمد صدیقؒ آف سرگودھا کے فرزند اور جانشین مفتی عبید السلام صاحب گذشتہ دنوں مختصر علالت کے بعد رات گئے شیخ زید ہسپتال لاہور میں رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! ان کی نمازِ جنازہ بڑی عیدگاہ سرگودھا میں ادا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی حسنات اور دینی خدمات کو قبول ومنظور فرما کر فردوسِ بریں میں مقام عطا فرمائیں۔ آمین!

www.KitaboSunnat.com

تعارف و تجزیہ

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر☆

'نقوشِ سیرت' کا علمی مطالعہ

پاکستان کے معروف محقق پروفیسر ڈاکٹر شیر محمد زمان چشتی کے سالہا سال کے مطالعہ اور علمی تجربہ کا نچوڑ 'نقوشِ سیرت' ہے جو ۲۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ خوبصورت جلد میں یہ کتاب نہایت دیدہ زیب ہے۔ ۲۰۰۷ء میں اسے 'پروگریسو بکس' اُردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔

کتاب کی ابتدا میں ملک کے معروف سکالر اُستادِ محترم پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ، معروف ادیب اور عربی زبان کے فاضل اجل پروفیسر ڈاکٹر خورشید رضوی اور ممتاز دانش ور پروفیسر عبدالجبار شاکر کے تبصرے ہیں جو ۳۸ صفحات تک ہیں۔ تینوں فضلا نے اس کتاب پر نہایت علمی اور مفصل انداز میں تبصرے کیے ہیں۔[۱]

ص ۳۹ پر 'عرضِ مؤلف' کے عنوان سے صرف ایک ورق لکھا گیا ہے۔ اس میں صاحب کتاب کی منکسر مزاجی ملاحظہ ہو:

> ''احباب کی محبت نے جانا کہ شاید ان کی طرح کچھ اور اہل درد بھی ان کلمات کی شکستگی کو گلے لگا لیں؛ پر اپنی کم مائیگی کو سر بازار لانا دیوانگی کا تقاضا کرتا ہے۔ نصیبوں والے ہی ایسے جنوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ 'فرزانگی' کا حجاب اوڑھنے والوں، دنیا کی طرف دیکھنے والوں، میں یہ جسارت کہاں سے آئے!...... اس کشمکش میں انجامِ کار احباب کے خلوص اور اس ناچیز کے بارے میں ان کی حسن ظنی کی فتح ہوئی۔''[۲]

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ''آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری'' کے زیر عنوان چار مقالات پر مشتمل ومحتوی ہے۔ دوسرے حصہ 'سیرت نگاری کے دو مناہج' میں دو

☆ ڈائریکٹر سیرت چیئر...... دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

① پروفیسر ڈاکٹر شیر زمان، نقوشِ سیرت، (پروگریسو بکس اردو بازار لاہور، ۲۰۰۷ء) ص ۱۳، ۳۸

② ایضاً، ص ۳۹، ۴۰

www.KitaboSunnat.com

مقالات شامل ہیں جب کہ تیسرے حصہ 'اُردو میں سیرت پر چند حالیہ تصانیف' میں تین مقالات شامل ہیں، آخر میں اسماء الرجال، اسمائے اماکن اور اسمائے کتب کی فہارس کے ساتھ اشاریہ مرتب کیا گیا ہے۔

کتاب کی چند خصوصیات

یہ کتاب بہت سی خوبیوں سے مزین ہے جن میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سیرتِ نبویؐ اور اسلام کے حقائق کو ہمارے دور کے لیے نمونہ ثابت کرتے ہوئے ہر مقام پر کوئی نہ کوئی پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے معاہدے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

ابو جندل کو رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کے دوران ہی قریش کے سفیر سہیل بن عمرو کے حوالے کر دیا، کیونکہ یہ طے ہو چکا تھا۔ ہم نے بھی ایک عہد کیا جس کی صدائے بازگشت ہمارے بچوں، بوڑھوں، مردوں، عورتوں کی زبان کا وِرد ہوگئی۔ ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ'' کا نعرہ قریہ قریہ، گاؤں گاؤں گونجا۔ پینتیس برس ہوئے رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ستائیسویں کی مبارک شب کہ ربِّ جلیل نے ایک مردِ عظیم کے ہاتھوں اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ ہمارے حصے کی شق باقی رہی، کیا ہم اپنا قرض اُتار چکے؟ ہم نے ارضِ پاکستان کو لا الہ الا اللہ کا جیتا جاگتا نقشہ بنانے میں کہاں تک پیش رفت کی؟ ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی پر کہاں تک اخلاقیات وتعلیماتِ محمد ﷺ کا رنگ چڑھا۔ ③

اُسلوبِ نگارش

اندازِ نگارش میں عجیب چاشنی ہے۔ بطورِ مثال:

اعلانِ نبوت کا دسواں سال ہے۔ ابو طالب رخصت ہوئے پھر سیدہ خدیجہؓ نے بھی داعیٔ اجل کی پکار پر عین منجدھار میں اس رفیقؐ کی رفاقت توڑ دی جسے کملی اُڑھا اُڑھا کے بارِ نبوت اٹھانے کی تشفیاں دی تھیں۔ عم نصیر بھی گیا، رفیق وزیر بھی رخصت ہوا۔ مصائب آندھیاں بن گئیں۔ یہ پیغمبر ﷺ ہے کہ اپنی دُھن میں تن من دَھن اسی طرح دعوت کی راہ میں لٹانے کو تیار۔ ④

③ ایضاً، ص ۴۴، ۴۵ ④ ایضاً، ص ۵۲

www.KitaboSunnat.com

علمی ولغوی مباحث

مصنف نے دوسرا مقالہ ''محمد رسول اللہ ﷺ؛ نبیٔ رحمت وعزیمت'' کے عنوان سے لکھا ہے۔اس میں کئی علمی اور لغوی نکتے بیان کیے گئے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

''بے محل نہ ہوگا اگر یہاں اس نکتے کی بھی صراحت کر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے بیشتر صفاتی نام انسانوں اور دیگر مخلوق کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ مثلاً رحیم کو لیجیے، یہ اسم قرآن مجید میں ہی رسولِ کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔حضور ﷺ کی مؤمنین کے لیے شفقت اور رافت ورحمت کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾[5] اس آیتِ کریمہ میں ربِّ رحیم کے دو صفاتی ناموں رؤف اور رحیم کا استعمال حضور ﷺ سرورِ کائنات کے لیے فرمایا گیا ہے۔ رحیم کی جمع رُحماء ہے جس کا استعمال حضور ﷺ کے اصحابؓ کے لیے ہوا ہے: ﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾[6]

اَحَد کا کلمہ سورۂ اخلاص کی آیت نمبرا میں ذاتِ باری کے لیے اور آیت ۴ میں 'کفواً' کی صفت کے طور آیا ہے۔اس کلمہ سے مؤنث کا صیغہ اِحدٰی قرآنِ کریم میں جا بجا استعمال ہوا ہے۔ خالق کا لفظ کسی ادب پارے یا فن پارے کی تخلیق کرنے والے کے لیے عام بولا جاتا ہے۔ حکیم، حلیم، عظیم، متین، رفیع، شکور، ظاہر، حاکم.....علیٰ ہذا القیاس ربِّ کریم کے بیسیوں صفاتی ناموں کا استعمال انسان یا دیگر مخلوق کے لیے بھی ہوتا ہے۔''[7]

مزید لکھتے ہیں:

''آپ ﷺ کی رحمت کا فیض بلا قیدِ زمان، عالم حاضر و عالم مستقبل، ہر زماں اور اہل زماں کے لیے جاری ہے۔ دوست کی دوستی، جاں نثار کی جاں سپاری، صاحبِ خیر وخلوص کی غم گساری، اعدائے کینہ پرور کا عناد، مجوسی و صابی کا فساد، خاکی کا عجز، عالی کا فخر، ابلہ کی سادہ لوحی، حبی نیس کی عبقریت، غریب کی غربت، قریب کی قربت..... ہر کیفیت میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی رحمت کا درکشادہ، فتح مکہ کے جلال و جبروت میں محمد عربی ﷺ کی قوت وسطوت اور شان

---

[5] التوبہ: ۱۲۸ [6] الفتح: ۲۹ [7] نقوشِ سیرت، ص ۶۴

www.KitaboSunnat.com

وشکوہ ہو یا بازارِ طائف کا انبوہ، اور اس میں لہولہان بے بس پردیسی کی بے چارگی، ہر عالم میں رحمت محمدی ﷺ کی شان میں، آن بان میں، نہ کمی نہ تغیر اور کیسے ہو کہ ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ⑧ شہنشاہِ ربّ العالمین نے خود محمد عربی ﷺ کو رحمۃ للعالمین کے تاج سے سرفراز فرمایا۔ یہی عالمین کے کلمہ کی حکمت و جامعیت ہے۔'' ⑨

''آج اکنافِ عالم میں اُمتِ مسلمہ گھمبیر مسائل میں ہی گرفتار نہیں، اس کا تشخص اور وجود بھی معرضِ خطر میں ہے۔ یہ ''اسلام خطرے میں ہے!'' کا روایتی نعرہ نہیں بلکہ ہمارے گرد و پیش کی ایک معروضی حقیقت ہے۔ شرق و غرب، دائیں اور بائیں کی نظریاتی جنگ، اشتراکیت وشیوعیت اور مغربی سرمایہ دارانہ جمہوریت کی سرد جنگ ٹھنڈی ہو چکی ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے پالیسی ساز بین الاقوامی بساط پر اپنی عملی سیاست اور دسیسہ کاری سے اور Huntington جیسے دانش ور نظریہ ساز اپنی تحریروں میں یہ پیغام دینے میں کسی اِخفا، اِیما یا اِبہام سے کام نہیں لے رہے کہ ان کا ہدف 'اسلامی بنیاد پرستی' (Islamic Fundamentalism) ہے۔'' ⑩

آج سے تقریباً ۶۵ برس پہلے جنوبی ہند کے ایک دردمند مسلمان کے نام اپنے خط میں حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے لکھا تھا:

"I am glad to hear that the Prophet's Birthday invoked great enthusism in South India. I believe the personality of the Prophet is the only force which can bring together the scattered forces of Islam in this country". ⑪

نقوشِ سیرت کا مرکز و محور: اطاعتِ رسول

کتاب کے تیسرے مقالہ کا موضوع 'اطاعتِ رسول؛ فوز و فلاح کا ذریعہ' ہے۔ یہ ان صدارتی کلمات پر مشتمل ہے جو شیخ زاید اسلامک سنٹر پنجاب، لاہور میں منعقدہ 'سیرتِ رحمت کائنات' منعقدہ ۱۶ رمئی ۲۰۰۲ء میں پڑھے گئے۔ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ ہمارے آقا و مولا پر ایمان ہی یقیناً دنیا اور آخرت میں نجات کا باعث ہے۔ سرخ روئی کا ذریعہ ہے، فلاح اور کامیابی کا وسیلہ ہے، اس کے بغیر سب کچھ نامکمل ہے۔ حکیم

⑧ الاعراف: ۱۵۶ ⑨ نقوشِ سیرت، ص ۶۶، ۶۷
⑩ ایضاً، ص ۷۵ ⑪ ایضاً، ص ۷۶

www.KitaboSunnat.com

الامت علامہ محمد اقبالؒ کے الفاظ میں ہم تمام زہد وتقویٰ کے باوجود، سب علم وفضیلت کے باوجود، حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ محبت واطاعت کا تعلق قائم نہ کرسکیں تو سچی بات یہ ہے کہ سبھی کچھ بے کار ہے۔''(۱۲)

مزید اس طرح رقمطراز ہیں:

''صداقت کبھی پرانی نہیں ہوتی، سچائی کبھی باسی نہیں ہوتی، خواہ اسے لاکھوں بار دہرایا جائے۔ یہ مصرع ''اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر'' کبھی اپنی حقیقت کھو نہیں سکتا۔ آج ہم اپنے اِرد گرد مسلمان کی خواری، تذلیل اور بے بسی کے جو شرمناک منظر دیکھ رہے ہیں، ان کی وجہ ترکِ قرآن اور حبِ رسول ﷺ کا فقدان ہے۔''(۱۳)

مغرب کے لوگوں کے نظریہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

ان کے نزدیک اب واحد ہدف اسلام ہی ہے۔ وہ تہذیبوں کی آڑ میں یہ سب کچھ کہتے ہیں اور ہم ان کی Duplicity کا رونا روتے ہیں کہ وہ دہشت گردی کی تعریف ایک جگہ پر کچھ اور کرتے ہیں، دوسری جگہ کچھ اور کرتے ہیں۔ یہ ہماری اپنی سادہ لوحی ہے۔ ہمارا اپنا ابلہ پن ہے کہ ہم نہیں پہچانتے کہ وہ تہذیبوں کے تصادم کا اعلان کرچکے ہیں تو آپ ان سے یہ توقع کیوں کرتے ہیں کہ وہ فلسطین کے بارے میں بھی وہی پالیسی اختیار کریں، اسرائیل کے اندر اسرائیلی دہشت گردی کو بھی اسی نظر سے دیکھیں جس نظر سے وہ کسی مسلمان ملک میں، یا کسی بھی مسلمان تنظیم یا فرد کی طرف سے ظاہر ہونے والی دہشت گردی کو دیکھتے ہیں۔(۱۴)

آپ کے چوتھے مقالے کا عنوان ''اسلامی فلاحی ریاست؛ اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں'' ہے۔ یہ مقالہ وزارتِ مذہبی اُمور کی قومی سیرت کانفرنس میں پیش کیے گئے مقالات پر تبصرہ ہے۔ فرماتے ہیں:

مناسب ہوگا کہ گفتگو کے آغاز میں ہی ایک اہم نکتہ کی تصریح کردی جائے۔ دورِ جدید میں فلاحی ریاست کی متعدد تعبیریں کی گئی ہیں، ان نظریات اور اصطلاحی تعریفوں کی تفاصیل کا یہ موقع نہیں۔ نہایت اختصار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ریاست کے شہریوں کی تمام ضروریات کی فراہمی اور مادی بہبود ان کا مرکزی نقطہ ہے۔ خوراک، لباس، رہائش، تعلیم، صحتِ عامہ وغیرہ سب اس کے دائرہ میں آتے ہیں۔ اس فلاحی تصور کے یہ سب عناصر اسلامی ریاست کے

(۱۲) ایضاً، ص ۶۵ (۱۳) ایضاً، ص ۸۸ (۱۴) ایضاً، ص ۹۳

www.KitaboSunnat.com

نمایاں ارکان بھی ہیں۔ اس ضمن میں کوئی فرق ہے تو یہی کہ مغرب میں ان تصورات کی تاریخ زیادہ سے زیادہ تین سو سال پرانی ہے اور اس کا عملی نفاذ تو ماضی قریب کی بات ہے۔ سویڈن، ناروے، ڈنمارک اور برطانیہ کے نام بطورِ مثال لیے جا سکتے ہیں مگر اسلامی تاریخ میں یہ نظام خلافتِ راشدہ میں ہی مستحکم ہو چکا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا یہ مشہور قول کہ ''فرات کے کنارے پر کوئی کتا بھی بھوک سے مر جائے گا تو عمرؓ سے اس کی پرسش ہوگی۔'' فلاح کے ہمہ گیر اور آفاقی نظریہ کی وضاحت کرتا ہے۔ مزید برآں انسان کی حقیقی فلاح کا تعین اسلامی معاشرہ میں قرآن وسنت کی قائم کردہ حدود و قیود کی حفاظت میں ہے۔ سیکولر نظام کی یہ آزادی یہاں نہیں کہ جس چیز کو پارلیمنٹ جائز قرار دے، وہی نافذ العمل ٹھہرے گی۔ اس نظریہ کے اِبطال کے لیے مغربی پارلیمانی اداروں کے بعض ایسے حالیہ قوانین کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جن کا صراحت سے ذکر بھی اس مجلس کے تقدس کے خلاف سمجھتا ہوں۔ ⑮

آخر میں لکھتے ہیں:

آیئے اس تاریخ ساز دن میں اپنے آپ کو پاک کرنے کے عزم میں اہل پاکستان کی قیادت کیجیے کہ ہم ظلم بے انصافی، بد دیانتی، فرض سے بے پروائی اور کوتاہی، قومی امانت میں خیانت، مسرفانہ شان و شوکت، اور زبانوں، صوبوں، فرقوں جیسی ناحق بنیادوں پر مبنی منافرت کے راستے چھوڑ کر عدل و انصاف، سادگی اور سچائی، اسلامی اخوت و محبت، اتحاد، معاشرتی مساوات، اور حق کے لیے ہر مشکل میں انفرادی و اجتماعی جہاد کا وہ شعار اپنائیں جو اس ملت کی پہچان ہے۔ جس نے اپنی عقیدتوں اور محبتوں کو فخر انسانیت محمد ﷺ کے نام کر دیا ہو اور اِمارت، سیاست، جھوٹی بڑائی اور سرداری، منصب اور مال کی نمائش، جَور و جفا، ظلم و تشدد کے پٹے کی بجائے سرورِ کائنات ﷺ کی غلامی کا مرصع ہار اپنی شخصیتوں کی زینت بنا لیا ہو۔ علماے کرام اور قائدین عوام کو نفاذِ شریعت اور استحکامِ جمہوریت کے نعرے مبارک، مگر خدارا اپنی مثال، اپنے نمونے، اپنی شیریں بیانی اور اپنی شعلہ مقالی کے ساتھ اہل پاکستان کو ان محمدی صفات (علی صاحبها الصلوة والتسليم) کی طرف بھی دعوت دیجئے جو اس ملت کی سچی فلاح کے لیے مضبوط بنیاد اور اقوامِ عالم کی صف میں 'پاکستانی' کے لفظ کے لیے سچے احترام کی ضمانت مہیا کرتی ہے۔ ⑯

---

⑮ ایضاً، ص ۱۰۰، ۱۰۱ ⑯ ایضاً، ص ۱۱۶

www.KitaboSunnat.com

'سیرت نگاری کے دو مناہج' کے عنوان کے تحت تین مقالات تحریر کیے ہیں۔ پہلے میں 'خطباتِ رسول ﷺ' کے عنوان سے لکھا ہے جبکہ دوسرے عنوان 'سیرت نگاری، قرآن کی روشنی میں' دو کتب پر تبصرہ فرمایا ہے جو دراصل الگ الگ معلوماتی مقالے ہیں۔[۱۷]

عنوان 'خطباتِ رسول اللہ ﷺ' میں ڈاکٹر محمد میاں صدیقی کی تالیف 'خطباتِ رسول ﷺ' پر نہ صرف تبصرہ ہے بلکہ ۲۰ صفحات پر مشتمل ایک معلومات افزا مقالہ بھی ہے۔ جس تبصرہ میں اس کتاب کے علاوہ خطباتِ رسول ﷺ پر لکھی ہوئی دیگر کتب کا مختصر تعارف اور ناقدانہ تبصرہ بھی ہے۔ علاوہ ازیں بعض مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا تذکرہ ہے۔

Thus spoke the Holy Prophet کی کتاب Browne اور Bennett (یوں ارشاد فرمایا نبی پاک ﷺ نے) بطورِ مثال پیش کی جا سکتی ہے جس کا عنوان صراحتہً بتا رہا ہے کہ گفتہ ہائے نبی کریم ﷺ ہی اس کا موضوع ہیں۔ بایں ہمہ اس کے دیباچہ کا پہلا جملہ ہی یہ ہے:

"This volume comprises gleanings from the Holy Qur'an and the Traditions of the Holy Prophet of Islam".

''اس جلد میں قرآن پاک اور احادیثِ نبویؐ کا انتخاب شامل ہے''۔[۱۸]

فرماتے ہیں:

اس واضح عنوان کے باوجود ۱۵۸ صفحات کی اس کتاب کا اکثر و بیشتر حصہ قرآنِ مجید کی منتخب آیات کے انگریزی ترجمے پر مشتمل ہے۔[۱۹]

بالکل یہی صورت حال سٹینلے لین پول (Stanley Lane Poole) کی مرتب کردہ کتاب کی ہے جسے "The Table-talk of Prophet Muhammad" کا عنوان دیا گیا ہے۔ 'انٹروڈکشن' کے اختتام پر جس حصے کا آغاز ہوتا ہے اسے "The Speeches at Makkah" کا ذیلی عنوان دیا گیا ہے۔ (سٹینلے لین پول)[۲۰]

اسکے بعد آنے والے حصے کا ذیلی عنوان "The Speeches at Madina"[۲۱] ہے۔

---

⑰ ایضاً، ص ۱۲۱ ⑱ ایضاً، ص ۱۲۵ ⑲ ایضاً، ص ۱۲۶

⑳ ایضاً، ص ۳۹، ۱۱۹ ㉑ ایضاً، ص ۱۲۳، ۱۴۵

www.KitaboSunnat.com

ان گمراہ کن عنوانات کے تحت ذیلی عنوانات کے ضمن میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ سب قرآنِ کریم کی مختلف سورتوں سے منتخب آیات کا انگریزی ترجمہ ہے۔

آخری حصے کا ذیلی عنوان The Table-talk of Prophet Muhammad [۴۲] ہے۔ اس حصّے کا مواد احادیث و سیرت سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے، اگرچہ اس حصے میں پچھلے اجزا کے برعکس حوالے نہیں دیے گئے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں مصنّفین اسلام کے خلاف تعصب اور بغض وعناد کے لیے معروف نہیں ہیں۔ بلکہ لین پول کا شمار بجا طور پر اسلامی تاریخ وثقافت سے ہمدردی رکھنے والے مصنّفین میں ہوتا ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی پر ان کی کتاب ایک معرکہ آرا چیز ہے۔ جہاں یہ اُلجھن اِرادی نہیں، وہاں اس کا باعث قرآن کے بارے میں اہل مغرب کا وہ ناقص تصور ہے جو مسیحی برادری کے نزدیک بائبل (Bible)، بالخصوص عہد نامہ جدید (New Testament) کی اناجیل اربعہ (Gospels) کی اِلہامی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے۔ [۴۳]

اس طرح مسلم فاضل مصنّفین کا حال ہے۔ جناب شمس بریلوی کی فاضلانہ تصنیف 'سرورِ کونین ﷺ کی فصاحت' پیش نظر ہے جو مئی ۱۹۸۵ء میں مدینہ پبلشنگ کمپنی کی طرف سے شائع کی گئی۔ یہ کتاب متعدد ظاہری ومعنوی خوبیوں سے مزین ہے اور اس موضوع پر صاحبِ کتاب کے وقیع و دقیق مطالعہ پر دلالت کرتی ہے۔ بایں ہمہ کتاب کے پہلے پونے دو سو صفحات عرب قبائل کی لسانی خصوصیات کے پس منظر میں اعجازِ قرآن کی خاصی طویل بحث پر مشتمل ہیں حالانکہ کتاب کا عنوان 'سرورِ کونین کی فصاحت' ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اصل کتاب صفحہ ۲۰۳ پر 'حدیث شریف کا اُسلوبِ بیان اور اس کی فصاحت و بلاغت' کے عنوان سے شروع ہوتی ہے۔ [۴۴] ڈاکٹر صاحب نے سیرتِ نبوی پر آٹھ عربی کتب کے نام مع مؤلفین لکھے ہیں جو خطباتِ نبوی کے موضوع پر ہیں۔ [۴۵]

'خطباتِ نبوی ﷺ' کے موضوع پر معاصرانہ تالیفات میں مولانا ایم، جی محمد عبیدالاکبر کی تالیف The Orations of Muhammad اس لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے کہ اس کا

[۴۲] ایضاً، ص ۱۴۹، ۱۷۷
[۴۳] ایضاً، ص ۱۲۶
[۴۴] ایضاً، ص ۱۲۷
[۴۵] ایضاً، ص ۱۲۷، ۱۲۸

www.KitaboSunnat.com

مسودہ ۱۹۴۴ء میں کلکتہ یونیورسٹی کی ایم اے کی ڈگری کے لیے تحقیقی مقالے کے طور پر پروفیسر ڈاکٹر ایم زیڈ صدیقی کی نگرانی میں تیار کیا گیا تھا جو اس یونیورسٹی میں عربی، فارسی، اردو کے شعبے کے صدر تھے۔ کتاب کے انگریزی مقدمے میں جو ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے، خطبات کی نوعیت پر مؤثر ومفید بحث کی گئی ہے۔ ڈاکٹر زمان صاحب ہر مناسب موقع پر تربیت واصلاح کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، یہاں بھی ان کا خوبصورت ناصحانہ انداز ملاحظہ فرمائیے:

لیکن افسوس یہ ہے کہ اس تحقیقی کام میں بھی منتخب متون کے مصادر کا حوالہ بالالتزام نہیں دیا گیا۔[۲۷]

۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں مولوی محمد عبداللہ خان صاحب، سابق پروفیسر مہندر کالج پٹیالہ نے 'خطباتِ نبوی ﷺ' کے عنوان سے اپنی تالیف دائرۃ المعارف لاہور سے شائع کی۔ ابتدائی ۳۰ صفحات میں تبلیغ اسلام کے آغاز تک سیرت پاک کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کل ۳۴ خطبات عربی متن اور اُردو ترجمے کے ساتھ دیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں ترجمے کے ساتھ توضیحی اشارات بھی دے دیے گئے ہیں مگر اس تالیف کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ایک خطبے کے اختتام اور دوسرے خطبے کے آغاز کے درمیان واقعاتی ربط بھی قائم کر دیا گیا ہے مثلاً دوسرے خطبے کے اختتام (صفحہ ۳۲) اور تیسرے خطبے کے آغاز (صفحہ ۴۱) کے درمیان ۸ صفحات پر ان دو خطبوں کے درمیانی عرصے میں رونما ہونے والے واقعات کا خلاصہ ہے۔[۲۷]

سید نصیر الاجتہادی کی ایک کتاب نہج الفصاحۃ کے نام سے مطبوع ہے جو ۴۹۳ صفحات پر مشتمل ہے جس میں رسولِ کریم ﷺ کے مکاتیب، مکالمات، مناظرے، فیصلے، اقوال اور دعائیں بھی شامل ہیں۔ تمام ارشادات کے عربی متن کے ساتھ شگفتہ اُردو ترجمہ دیا گیا ہے۔[۲۸]

اسی طرح پروفیسر امتیاز احمد سعید مرحوم کی تالیف 'خطباتِ رسول ﷺ' ۱۹۸۱ء میں مطبوعاتِ حرمت راولپنڈی کے زیر اہتمام شائع ہوئی جس میں رسولِ کریم ﷺ کے ارشادات سے ۶۲ اقتباسات کا صرف اُردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ ہر اقتباس سے پہلے چند سطروں میں اس خطبے کا موقع ومحل بیان کر دیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں ۲۱ مصادر کی ایک فہرست شامل ہے اور ہر اقتباس کے بعد ماخذ کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔[۲۹]

---

[۲۶] ایضاً، ص ۱۲۹ [۲۷] ایضاً

[۲۸] ایضاً [۲۹] ایضاً، ص ۱۲۸، ۱۳۰

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمد میاں صدیقی کی کتاب میں جو خطباتِ نبویؐ جمع کیے ہیں، انہیں حدیث و سیرت کی مختلف کتابوں سے اَخذ کیا گیا ہے۔ خطبے کا متن نقل کرنے کے بعد اس کا ترجمہ دیا ہے، اس کے بعد تشریح۔ صرف خطبے کے اہم حصوں ہی کی نہیں دی گئی بلکہ اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ اس خطبے کا پس منظر کیا تھا۔ آخر میں مآخذ ِ ومصادر کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔

خطبات کے متون و ترجمے سے پہلے ۳۴ صفحات پر مشتمل سیرتِ طاہرہ کا ایک مختصر جائزہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس اختصار میں سوانحی تشنگی کا باقی رہ جانا ایک بدیہی امر ہے۔ بالخصوص ہجرت کے بعد مدینہ میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ مگر اس تعارفی حصے کا اصل مقصد یہ ہے کہ قاری کے ذہن کو فرموداتِ محمد ﷺ کی روح تک پہنچنے اور ان کی حکمت اور قدر و قیمت کے صحیح ادراک کے لیے تیار کیا جائے۔ گویا صیغہ اعلام کی معاصرانہ زبان میں یہ ایک طرح کا curtain-raiser ہے، جو خطباتِ رسول ﷺ سے پہلے اس مفہوم میں اپنا مقصد خاطر خواہ کامیابی سے پورا کرتا ہے۔ اس کا ترجمہ صحت اور شگفتگی سے کیا گیا ہے اور اس میں عالمانہ تشریحات بھی ہیں۔ (۳۰)

ایک اور قابل ذکر کتاب ابو القاسم پاینده کی تالیف نهج الفصاحة ہے۔ آغاز میں نبی کریم ﷺ کی فصاحت و بلاغت پر ۱۵۰ سے زائد صفحات کا خاصا مبسوط مقدمہ ہے، جناب رسالت مآب ﷺ کے ارشادات عربی متن اور فارسی ترجمے کے ساتھ دیے گئے ہیں۔ پہلا حصّہ 'مجموعہ کلماتِ قصار' (مختصر ارشادات کا مجموعہ) ہے۔ مکمل کتاب ۶۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ (۳۱)

شیخ موسیٰ بن عبداللہ زنجانی (۱۳۴۱ھ) کی تالیف مدينة البلاغة کے عنوان کے تحت شائع ہوئی جو کہ ۵۶۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ مؤلف شیعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، تاہم معروف شیعی مصادر کے علاوہ سنّی مآخذ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ قسم اوّل میں ۳۶ خطباتِ نبوی بترتیب سنواتِ نبوت جمع کیے گئے ہیں۔ (۳۲)

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''یہاں ایک اور مجموعہ خطبات کا ذکر بھی ضروری ہے، کیونکہ کئی ذی علم اصحاب اسے انتہائی جامع مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ وہ مولانا محمد محدث جونا گڑھی (۱۸۹۰ء-۱۹۴۱ء) کی تالیف 'خطباتِ محمدی' ہے۔ پیش نظر نسخہ مکتبہ قدوسیہ لاہور کی طرف سے جون ۱۹۹۲ء میں شائع

(۳۰) ایضاً ص ۱۳۰، ۱۳۱ (۳۱) ایضاً ص ۱۳۲، ۱۳۳ (۳۲) ایضاً ص ۱۳۳

www.KitaboSunnat.com

ہوا۔ سرورق کی تحریر کے مطابق خطباتِ نبویؐ کا یہ 'مستند ترین مجموعہ' پانچ حصوں پر مشتمل ہے اور 'اردو زبان میں اپنی نوعیت کی واحد کتاب' ہے، جس میں کائنات کے خطیبِ اعظم حضرت محمد ﷺ کے تقریباً ایک ہزار خطبات کی بہترین ترجمانی وتشریح کی گئی ہے۔''[۳۲]

جلد اوّل میں رسول اللہ ﷺ کے ۱۸۳ خطبات ۶۵ صحابہ کرامؓ کی روایات اور حدیث کی ۵۰ مستند کتابوں سے لیے گئے ہیں، جلد دوم میں ۲۶۵ خطبات ۸۰ صحابہ کرامؓ کی روایات اور حدیث وتفسیر کی پچاس مستند کتابوں سے لیے گئے ہیں، جلد سوم میں دوسو بیس خطبات ۷۵ صحابہ کرامؓ کی روایات اور حدیث وتفسیر کی چالیس مستند کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ جلد چہارم میں ایک سونواسی خطبات ۷۲ صحابہ کرامؓ کی روایات اور حدیث وتفسیر کی ۶۰ مستند کتابوں سے لیے گئے ہیں جبکہ جلد پنجم میں ایک سو چالیس خطبات، ۶۰ صحابہ کرامؓ کی روایات اور حدیث وتفسیر کی ۳۵ مستند کتابوں سے نقل کر کے عربی متن اور سلیس اردو ترجمہ کے ساتھ دو کالمی شکل میں پیش کیے گئے ہیں۔ اصل کتاب 'خطباتِ محمدی' مؤلف مولانا محمد جونا گڑھی پر تبصرہ ص ۱۳۵ تا ۱۳۹ تک کیا۔[۳۳]

خطبات کا ایک مختصر مجموعہ نقوش کے رسول نمبر کی جلد ہشتم میں ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جس کو ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے مرتب کیا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے کل ۶۹ خطبات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''خطباتِ رسول ﷺ کا یہ مجموعہ اس قبیل کی مؤلفات میں اختصار کے باوجود قابل ذکر مقام کا حامل ہے۔''[۳۴]

ایک اہم کام مولانا محمد ادریس کی 'خطبات النبی ﷺ' (قرآن محل، کراچی) اور احمد زکی صفوت کی جمهرة خطب العرب جز اوّل، عصر جاہلی اور صدرِ اسلام پر مشتمل آنحضرت ﷺ کے ۱۴ خطبات ہیں۔ ہر خطبہ کے آخر میں مصادر ہیں۔[۳۵]

'سیرت نگاری؛ قرآنِ کریم کی روشنی میں' کے عنوان کے تحت ایک مقالہ پر بریگیڈیئر گلزار احمد مرحوم کی تصنیف 'ثنائے خواجہ ﷺ' کا ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی قرآنِ مجید کی

---

[۳۲] ایضاً، ص ۱۳۵ [۳۳] ایضاً [۳۴] ایضاً، ص ۱۳۹ [۳۵] ایضاً

www.KitaboSunnat.com

عملی تفسیر تھی۔ حضرت عائشہؓ کا ارشاد: فإن خلق نبي الله ﷺ كان القرآن (رسول اللہ ﷺ کا اخلاق عین قرآن تھا) اس موضوع پر اعجاز و بلاغت کا شاہ کار قرار دیا ہے۔ (۳۷)

ڈاکٹر صاحب قرآنِ مجید کی رو سے سیرتِ نبوی ﷺ کو مرتب کرنا دشوار قرار دیتے ہیں۔ (۳۸) اس لحاظ سے بعض دیگر کئی کتب کا ذکر فرمایا: سید محمد رضوان اللہ اور انتظام اللہ شہابی کی سیرت الرسول ﷺ من القرآن کا بھی ذکر کیا۔ یہ نسخہ دائرۃ المعارف القرآنیہ، کراچی ۱۹۶۳ء، میں شائع ہوا جس کے ۴۵۴ صفحات ہیں۔ مؤلفین کے مطابق اس انداز سے کسی نے سیرت نہیں لکھی۔ (۳۹) لیکن اس دعویٰ کے باوجود اس کتاب کی ترتیب میں بھی تاریخ اور سیرت کے مآخذ سے ہی استفادہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ حسبِ موقع قرآنی آیات سے استشہاد کیا گیا ہے۔ (۴۰)

غلام احمد پرویز (۱۹۰۳ء-۱۹۸۵ء) کی کتاب 'معراجِ انسانیت' یعنی قرآنِ کریم کی روشنی میں مرتب کردہ نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ (ادارہ طلوع اسلام، لاہور ۱۹۶۸ء، طبع دوم) ۴۶۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ (۴۱) ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

> کتاب کی تدوین میں احادیث و سیرت کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ واقعہ اِفک سے مضحکہ خیز نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں واقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہاں حضرت عائشہؓ کا نام مذکور نہیں، لہٰذا اس واقعہ کو ان سے منسوب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (۴۲)

پرویز صاحب معروف منکرِ حدیث ہیں، اس لیے ڈاکٹر صاحب نے اس کے بارے میں اشارہ کر دیا۔

سید ابوالخیر کشفی کی کتاب 'حیات محمدیؐ: قرآنِ حکیم کے آئینے میں' دادا بھائی فاؤنڈیشن کراچی، ۱۹۹۰ء سے شائع ہوئی جو ۳۱۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی آیات کے ساتھ احادیث اور کتب سیرت سے استفادہ کیا گیا ہے۔ (۴۳)

عبدالعزیز عرفی کی کتاب 'جمالِ مصطفیٰ ﷺ' سیرتِ نبی اکرم ﷺ قرآن کی روشنی میں بہ ترتیبِ نزولی ہے۔ (۴۴)

---

(۳۷) ایضاً، ص ۱۴۱ (۳۸) ایضاً، ص ۱۴۳ (۳۹) ایضاً، ص ۱۴۵ (۴۰) ایضاً
(۴۱) ایضاً (۴۲) ایضاً (۴۳) ایضاً، ص ۱۴۵، ۱۴۶ (۴۴) ایضاً، ص ۱۴۷

www.KitaboSunnat.com

بعض دیگر کتب میں محمد عزہ دروزہ کی کتاب 'سیرت النبی ﷺ' ہے۔ اس میں سیرت کی بعض تصاویر کے خدوخال قرآن کی روشنی میں واضح کیے گئے ہیں۔ اُنہوں نے بھی آیات کے ساتھ تاریخ وسیرت سے استفادہ کیا ہے۔[۴۵]

حسن کامل ملطاوی کی کتاب رسول اللہ ﷺ في القرآن الكريم دائرة المعارف سے دوسری مرتبہ ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بھی مکمل سیرت نبوی ﷺ نہیں ہے۔ بلکہ بعض موضوعات اور مسائل پر قرآن کی روشنی میں تبصرہ ہے۔[۴۶]

محمد شریف قاضی کی تالیف 'اُسوۂ حسنہ؛ قرآن کی روشنی میں' مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور کی طرف سے ۱۴۰۱ھ میں شائع ہوئی۔[۴۷]

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی 'سیرتِ رسول؛ قرآن کی روشنی میں' اس موضوع پر پڑھی گئی ہے جو اس عنوان پر کمالِ حسن ولطافت کے ساتھ پوری اُترتی ہے۔[۴۸]

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی کتاب 'ہمہ قرآن در شانِ محمد ﷺ' کا عنوان دراصل مولانا عبدالرحمٰن جامی کے ارشاد 'ہمہ قرآن درشانِ محمدؐ' سے ماخوذ ہے۔[۴۹] ساری کتاب میں قرآن کا خلاصہ ہے۔ سیرت سے اس کا تعلق کم ہی ہے۔[۵۰]

ڈاکٹر صاحب آخر میں فرماتے ہیں:

> اس مختصر جائزہ کا یک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ ان مشکلات کا اندازہ ہوجائے جو قرآنِ کریم کی روشنی میں سیرت النبی ﷺ پر قلم اٹھانے والے کو درپیش ہوتی ہیں اور صرف قرآنِ کریم کے متن سے سیرت کی مکمل کتاب کی تالیف کہاں تک ممکن ہے۔ اس بحث کے پیش منظر میں محترم بریگیڈیئر گلزار احمد کا کاوش بعنوان 'ثنائے خواجہ' کا بہتر اور زیادہ قرین انصاف محاکمہ ممکن ہوگا۔''[۵۱]

بریگیڈیر صاحب کی کتاب 'غزواتِ رسول اللہ ﷺ' پر بھی تبصرہ ہے۔[۵۲] ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

---

[۴۵] ایضاً، ص ۱۴۹ [۴۶] ایضاً، ص ۱۴۸ [۴۷] ایضاً، ص ۱۴۹
[۴۸] ایضاً، ص ۱۴۹ [۴۹] ایضاً، ص ۱۵۰ [۵۰] ایضاً، ص ۱۵۰
[۵۱] ایضاً، ص ۱۵۱ [۵۲] ایضاً، ص ۱۵۲، ۱۵۳

www.KitaboSunnat.com

جنگی حکمت کے تناظر میں اُنہوں نے حضور ﷺ کے قائدانہ کارناموں پر جس منفرد انداز میں نئی روشنی ڈالی ہے، وہ انہیں کا حصہ ہے۔[۵۳]

عزیز ملک کی کتاب 'تذکارِ نبی ﷺ' کی تعارفی تقریب میں یہ ایک مختصر، لیکن جامع مقالہ پڑھا گیا۔ مصنف عزیز ملک نے 'تذکارِ نبی ﷺ' میں قرآن کی آیت کی روشنی میں سیرت النبی ﷺ لکھنے کو ایک نیا موضوع قرار دیا ہے۔[۵۴] ڈاکٹر صاحب نے لکھا:

''مؤلف کی مراد یہ تھی کہ قرآنی آیات کی روشنی میں سیرتِ طاہرہ کی تدوین ایک نئی کوشش ہوگی تو یہ خیال درست نہیں تھا۔''[۵۵]

اس موضوع پر بہت سی کتب لکھی گئی۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ

''نہ ہی یہ راستہ کوئی آسان اور سہل تھا۔''[۵۶]

مثلاً 'ولادت باسعادت' کے عنوان سے آیت ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ﴾ کا عنوان ہے مگر سارا مواد انہیں معروف روایات سے ماخوذ ہے جن پر سیرت کا ہر مؤلف تکیہ کرتا ہے۔[۵۷]

تذکارِ نبی ﷺ کا تبصرہ لکھنے سے پہلے کہا ہے کہ

''اس جائزے میں مخلصانہ تنقیدی ملاحظات بھی ملیں گے اور تعریف کے سچے کلمات بھی۔ مصنف کی خدمت میں خصوصی اور قارئین کی خدمت میں عمومی درخواست ہے کہ تنقید کو تنقیص پر اور تعریف کو تقریظ پر محمول نہ فرمائیں۔ ان گزارشات میں زبان و بیان کا، فہم و شعور کا قصور ہوسکتا ہے، نیت کا فتور بفضلہٖ سبحانہ ہرگز نہیں۔''[۵۸]

ان جملوں میں اخلاص جھلکتا نظر آتا ہے۔ جائزہ میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

یوں لگتا ہے کہیں کہیں فاضل مصنف کو عربی متون کے صحیح فہم میں تسامح ہوا ہے۔ کتاب کھولتے ہی جو چیز ایک محتاط قاری کو فی الفور کھٹکے گی، وہ قرآنِ مجید کی اس آیت کریمہ (۲۹:۴۵) کا اُردو ترجمہ ہے جو سرورق کی زینت ہے۔ ﴿هذا كتابُنا ينطِقُ عليكم بالحق﴾ کا ترجمہ ''اے حبیب ﷺ! ہماری یہ کتاب آپ کے بارے میں حق کے ساتھ بولتی ہے۔'' ہرگز درست نہیں ہے۔ اوّل تو علیکم کا ترجمہ اس متن کے اندر ''آپ کے بارے میں'' درست

---

[۵۳] ایضاً، ص ۱۵۳ [۵۴] ایضاً، ص ۱۵۶ [۵۵] ایضاً
[۵۶] ایضاً [۵۷] ایضاً [۵۸] ایضاً، ص ۱۵۷

www.KitaboSunnat.com

نہیں بلکہ ''تمہارے مقابلہ'' میں صحیح ہے۔ ایسا مقصود ہوتا تو عربی زبان کے محاورہ کا تقاضا تھا کہ علیکم کی بجائے فیکم استعمال ہوتا۔ مگر ستم یہ ہے کہ قرآنی سیاق وسباق میں اس آیت کے مخاطب جناب رسول امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہیں ہی نہیں بلکہ وہ گنہگار ہیں جنہیں یومِ حساب میں ان کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جارہا ہے۔ سورۃ الجاثیہ کی آیت نمبر ۲۸، ۲۹ کا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

''اور (اس روز) آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ (مارے خوف کے) زانو کے بل گر پڑیں گے۔ ہر فرقہ اپنے (نامۂ اعمال) کے حساب کی طرف بلایا جائے گا۔ آج تم کو تمہارے کیے کا بدلہ ملے گا۔ کہا جائے گا کہ یہ (نامۂ اعمال) ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے۔ اور ہم دنیا میں تمہارے اعمال کو لکھواتے جاتے تھے۔''[59]

عربی الفاظ کلمات کی اور غلطیوں کی بھی نشان دہی فرمائی۔ قرآنِ مجید کے غلط کی اصلاح فرمائی ہے۔[60] بعض خامیوں کی خوبصورت انداز میں نشاندہی کر کے لکھتے ہیں:

''اس گفتگو کا حسن ختام کتاب کے محاسن پر ایک طائرانہ نظر سے ہو، یہی انصاف اور معروضیت کا تقاضا ہے۔ سب سے پہلی بات یہ کہ فاضل مصنف نے ۲۴۰ صفحات کی مختصر کتاب میں سیرت طاہرہ کے بارے میں چھوٹی چھوٹی فصلیں باندھ کر کلیدی معلومات جس حسن کے ساتھ جمع کردی ہیں، وہ انہیں کا حصہ ہے۔''[61]

کتاب کا آخری حصہ 'اُردو سیرت پر چند حالیہ تصنیفات' کے عنوان سے ہے۔ اس میں تین ذیلی عنوانات 'نقوش، رسول نمبر'، 'الامین' اور 'ازواجِ مطہرات اور مستشرقین' پر تبصرہ اور تنقیدی جائزہ شامل ہے۔ یہ تینوں کتب سیرت لٹریچر میں ایک خاص درجہ اور مقام کی حامل ہیں۔ نقوش 'رسول نمبر' کو محمد طفیل نے مرتب کیا ہے۔ فاضل مصنف اس حوالہ سے لکھتے ہیں

قرین انصاف ہوگا، اگر تنقیدی جائزے کی ابتداء مدوّن (ایڈیٹر) کے اس باہمت کارنامے کے محاسن سے کی جائے۔ معلومات کی وسعت وجامعیت اور عنوانات کے تنوع (Diversity) کے ساتھ انتخاب کی خوبی داد کی مستحق ہے۔ اکثر مقالات مستند ہیں اور مشاہیر کے قلم سے ہیں۔''[62]

مصنف نے اس حصہ میں 'نقوش' پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ جہاں اس کے محاسن کے معترف ہیں، وہاں اس میں پائی اور محسوس کی جانے والی بعض خامیوں اور مباحث کی عدم

[59] ایضاً، ص ۱۵۸ [60] ایضاً، ص ۱۵۹، ۱۶۰ [61] ایضاً، ص ۱۶۱ [62] ایضاً، ص ۱۶۷

www.KitaboSunnat.com

شمولیت کی نشان دہی کی ہے۔ مثلاً ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی مشہور کتاب 'محمد رسول اللہ' کے متعلق لکھتے ہیں:

''مترجم نذیر حق صاحب ہیں مگر افسوس ہے کہ ترجمے میں اصل پر کسی مفید اضافے کی بجائے Fore word حرفِ تقدیم اور انڈکس خارج کر دیئے گئے ہیں جس سے ترجمے کی افادیت خاصی کم ہوگئی ہے۔[۶۳]

مزید لکھتے ہیں کہ رسول نمبر دوسری جلد میں سید سلمان ندویؒ کی 'سیرۃ النبی' کی جلد ہفتم شامل ہے، مگر اس کتاب کے پہلے ۶۶ صفحات موجود نہیں ہیں۔[۶۴]

اسی طرح اس حصہ میں چند ادارتی خامیوں کی نشان دہی کی ہے۔ لکھتے ہیں:

ادارتی لحاظ سے میرے نزدیک اس سلسلہ کی اہم خامی یہ ہے کہ مختلف جلدوں میں شامل مقالات کے بارے کہیں یہ وضاحت موجود نہیں کہ وہ اوّلاً کب اور کہاں طبع ہوئے؟ مصادر میں حوالہ جات بھی موجود نہیں۔[۶۵]

ایک اہم بات جس کی نشاندہی ضروری ہے اور مصنف نے بھی اس کا اظہار بھرپور انداز میں کیا ہے کہ

''پورے سلسلہ میں کہیں یہ ذکر یا اعتراف موجود نہیں کہ مطبوعہ مضامین مصنّفین یا ناشرین کی اجازت سے دوبارہ چھاپے گئے ہیں اور نہ یہ صراحت ہے کہ وہ خاص طور پر نقوش کے لیے لکھے گئے ہیں۔[۶۶] یہاں پر مصنف نے چند مضامین کی فہرست بھی شامل کی ہے جو اُردو مجلّہ 'فکر ونظر' سے نقل کیے گئے ہیں۔''[۶۷]

محترم ڈاکٹر صاحب نے ایک تجویز بھی شاملِ تصنیف کی ہے کہ ان دس جلدوں کا ایک مکمل اشاریہ مستقل جلد کی صورت میں شائع کر دیا جائے جس میں اسماء، اَماکن، آیاتِ قرآنی، احادیث، الٰہیات وغیرہ کی فہارس شامل کر دی جائیں۔[۶۸]

جب مقالہ لکھا گیا تو اس وقت دس جلدیں شائع ہوچکی تھی یعنی بعد ازاں کے افسانے کا بھی مؤلف نے اس کتاب میں ذکر کر دیا ہے۔ اس عنوان کے آخر میں مصنف صاحب نے 'نقوش' کے رسول نمبر ﷺ کی تیرہ جلدوں پر الگ الگ تبصرہ بھی کیا ہے، اس طرح یہ عنوان ۱۲

---

۶۳ ایضاً، ص ۱۶۸ ۶۴ ایضاً ۶۵ ایضاً، ص ۱۶۹ ۶۶ ایضاً، ص ۱۷۲
۶۷ ایضاً ۶۸ ایضاً، ص ۱۷۴، ۱۷۵

www.KitaboSunnat.com

صفحات پر مشتمل ہے۔[۱۹]

دوسرا جز جو محمد رفیق کی کتاب الأمین پر تبصرہ ہے۔ فاضل مصنف لکھتے ہیں:

تین جلدوں اور ۱۸۲۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے مندرجات اور فہرست کا احاطہ کرنا مقصود نہیں۔ مطمع نظر یہ ہے کہ سیرت پر لکھی لا تعداد کتابوں، بالخصوص اُردو ادب کے حوالے سے اس نئے اور گراں قدر اضافہ کے مقام کا تعین کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس کا تعلق سیرت نگاری کی کس قبیل سے ہے۔ اور اس لحاظ سے اس کی افادیت کیا ہے۔[۲۰]

۱۳ صفحات کے اس مضمون/مقالہ میں ڈاکٹر صاحب نے جہاں اس کتاب کے محاسن اور عصری خوبیوں کا ذکر کیا ہے، وہاں اس میں موجود خامیوں اور اغلاط کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔[۲۱] آخر میں لکھتے ہیں کہ

''اگر مصنف ان تینوں اجزا کا جامع خلاصہ ایک جلد میں پیش کرنے پر سنجیدگی سے غور فرمائیں تو یہ نہایت مفید کاوش ہر گھر میں پہنچ سکے گی۔ اور اس ایڈیشن میں اغلاط کی تصحیح بھی کی جاسکتی ہے۔[۲۲]

اس عنوان کا تیسرا جز 'ازواجِ مطہرات اور مستشرقین' جو ظفر علی قریشی کے ایک انگریزی مقالہ کا اُردو ترجمہ ہے۔ اس سلسلہ میں فاضل مصنف رقمطراز ہیں کہ

ایک قابل غور سوال یہ ہے کہ یہودی اور مسیحی تاریخ میں تعددِ ازواج کے اثبات کا اس موضوع یعنی 'ازواج مطہرات اور مستشرقین' سے کیا براہِ راست تعلق ہے؟[۲۳]

کتاب کے محاسن کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ

''کتاب کے آخر میں ۱۳۳ حواشی و حوالہ جات ہیں جن میں تاریخ کے طالب علم کے لیے نہایت مفید قدیم و جدید مآخذ کی طرف راہ نمائی ملتی ہے۔ کتاب کا ترجمہ بالعموم با محاورہ اور موزوں ہے۔''[۲۴] اس سلسلہ میں اُنہوں نے ایک مفید مشورہ بھی لکھا ہے کہ محتاط نظر ثانی سے ترجمہ کو مزید بہتر بنانے کی گنجائش موجود ہے۔[۲۵]

نقوشِ سیرت کے آخر میں اشاریہ میں اسماء الرجال، اسماء اماکن اور اسماء کتب درج ہیں۔ اس طرح یہ کتاب اپنی افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے ایک عمدہ کاوش ہے اور مصنف جناب ڈاکٹر صاحب اس سیرتی ادب میں اس مختصر مگر ٹھوس علمی کاوش پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

---

[۱۹] ایضاً، ۱۷۹، ۱۹۰ [۲۰] ایضاً، ص ۱۹۴ [۲۱] ایضاً، ص ۲۰۳

[۲۲] ایضاً، ص ۲۰۴ [۲۳] ایضاً، ص ۲۰۸ [۲۴] ایضاً، ص ۲۱۳ [۲۵] ایضاً، ص ۲۱۳، ۲۱۴

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol. 41 NO. 1
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

KITABOSUNNAT.COM

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ——— زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 5470